قانونِ اسلامی ۔ اختصاصی مطالعہ ۹

اصولِ فقہ

استحسان، استصحاب استدلال

شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

قانونِ اسلامی۔ اختصاصی مطالعہ
اصول فقہ......۹
ادلّہ شرعیہ۔ ۴

استحسان، استصحاب، استدلال

عرفان خالد ڈِھلّوں

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

قانون اسلامی ۔ اختصاصی مطالعہ

اصول فقہ ۔۔۔۔ ۹

ادلہ شرعیہ ۔ ۴

عنوان	:	استحسان، استصحاب، استدلال
مولف	:	عرفان خالد ڈھلوں
نظر ثانی	:	سید عبدالرحمان بخاری
ادارت	:	عرفان خالد ڈھلوں
حتمی تصحیح	:	ڈاکٹر حافظ اکرام الحق یسین
نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس	:	عرفان خالد ڈھلوں
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اس
مطبع	:	اظہار سنز پرنٹرز، ۹ ریٹی گن روڈ لاہور
سال طباعت	:	۲۰۰۲ء جون ۲۰۰۵ء
تعداد	:	۱۰۰۰ ۲۵۰۰

فہرست

۱۔	پیش لفظ	۷
۲۔	تعارف	۹
۳۔	استحسان	۱۱
۳۔	لغوی معنی	۱۱
۴۔	اصطلاحی معنی	۱۱
۵۔	استحسان کی ضرورت واہمیت	۱۲
۶۔	حجیت استحسان	۱۳
۷۔	قائلین استحسان اور ان کے دلائل	۱۳
۸۔	منکرین استحسان اور ان کے دلائل	۱۶
۹۔	منکرین استحسان کی غلط فہمی	۱۸
۱۰۔	استحسان پر عمل کرنے کے اصول	۱۹
۱۱۔	استحسان کی اقسام	۲۰
۱۲۔	استحسان بالنص	۲۰
۱۳۔	استحسان بالاجماع	۲۲
۱۴۔	استحسان بالقیاس الخفی	۲۳
۱۵۔	استحسان بالضرورۃ	۲۵
۱۶۔	استحسان بالعرف	۲۶

۱۷۔	استحسان بالمصلحۃ	۲۷
۱۸۔	استحسان مراعاۃ خلاف العلماء	۲۷
۱۹۔	استصحاب	۲۹
۲۰۔	لغوی معنی	۲۹
۲۱۔	اصطلاحی معنی	۲۹
۲۲۔	حجیت استصحاب	۳۰
۲۳۔	حجیت استصحاب کے دلائل	۳۰
۲۴۔	انکار استصحاب کے دلائل	۳۳
۲۵۔	استصحاب کی اقسام	۳۴
۲۶۔	استصحاب اباحت	۳۴
۲۷۔	استصحاب براءت اصلیہ	۳۵
۲۸۔	استصحاب وصف	۳۶
۲۹۔	استصحاب حکم عام	۳۶
۳۰۔	استصحاب حکم نص	۳۷
۳۱۔	استصحاب حکم ثابت اجماع	۳۷
۳۲۔	استصحاب مقلوب	۳۹
۳۳۔	استصحاب سے ماخوذ بعض اہم قواعد فقہیۃ	۳۹
۳۴	استدلال	۱۴
۳۵۔	لغوی معنی	۴۱
۳۶۔	اصطلاحی معنی	۴۱
۳۷۔	استدلال کے طریقے	۴۱

۳۸۔ استدلال کا پہلا طریقہ ۴۱
۳۹۔ استدلال کا دوسرا طریقہ : قضایا کے درمیان تقابل ۴۲
۴۰۔ استدلال کا تیسرا طریقہ : عکس مستوی ۴۴
۴۱۔ استدلال کا چوتھا طریقہ : تلازم بین الحکمین ۴۵
۴۲۔ استدلال کا پانچواں طریقہ : عدم دلیل سے عدم حکم پر استدلال ۴۶
۴۳۔ استدلال کا چھٹا طریقہ : استقراء ۴۶
۴۴۔ استدلال کا ساتواں طریقہ : قیاس اقترانی وقیاس استثنائی ۴۸
۴۵۔ استدلال کا آٹھواں طریقہ : مختلف اقوال میں کم تر مقدار کا قول اختیار کرنا ۴۹
۴۶۔ استدلال کا نواں طریقہ : سبب، شرط اور مانع کی بنیاد پر حکم کا اثبات اور نفی ۵۰
۴۷۔ استدلال کا دسواں طریقہ : استصحاب حال ۵۱
۴۸۔ استدلال کے دیگر طریقے ۵۱
۴۹۔ اہم نکات ۵۲
۵۱۔ کتب برائے مزید مطالعہ ۵۵
۵۲۔ مصادر و مراجع ۵۶

پیش لفظ

کسی ریاست کا رائج قانون اس میں بسنے والوں کے اساسی نظریات وعقائد کا عکاس ہوتا ہے ورنہ قانون اور قوم میں اجنبیت کے باعث نہ تو قانون اس قوم میں قبولیتِ عام کی سند حاصل کرتا ہے اور نہ ہی قوم اس قانون کے احترام اور پاسداری میں گرمجوشی کا مظاہرہ کرتی ہے جس کا نتیجہ معاشرتی اشتات وانتشار اور بے چینی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر قانون اجنبی اور مسلط کردہ ہو تو اس پر عمل جبر کے تحت ہوتا ہے اور مجبور قومیں آزاد نہیں ہوتیں۔ اجنبی قانون تو وہ قومیں اپناتی ہیں جو خود کسی دستور اور نظامِ قانون سے تہی دامن ہوتی ہیں۔

مسلم امہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ دستور سازی اور قانون سازی پر اس کا عملی ورثہ بہت گراں ہے۔ گزشتہ ۱۳ صدیوں سے مسلمان اہل علم کی تحریریں قانون اور اصول قانون پر دنیا بھر کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)، امام محمد شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی کتابیں آج بھی روشنی کا منبع ہیں۔

امت مسلمہ کے قانونی اور دستوری نظام کے دو بنیادی عناصر ہیں جن کے بغیر اسلام کا قانونی نظام نہ تو اپنی صحیح شکل وصورت میں قائم رہتا ہے اور نہ ہی ان سے غذا حاصل کیے بغیر ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ پہلا بنیادی عنصر اسلامی عقائد ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان میں فکری استحکام پیدا ہوتا ہے۔ یہ فکری استحکام ایمان ویقین کی وجہ سے اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ صاحب ایمان کو ہر قسم کی فکری بے راہ روی سے محفوظ کر کے حق وصداقت کی جانب گامزن رکھتا ہے۔

دوسرا بنیادی عنصر اخلاق وتزکیہ ہے۔ مکارم اخلاق کی تعلیم اور تزکیہ نفس انسان کے کردار، مزاج اور رویہ کی اصلاح کر کے اسے معاشرہ میں تہذیب وشائستگی کے اعلیٰ مقام پر فائز رکھتے ہیں۔

امت مسلمہ جب تک اپنے فقہی اور قانونی ورثہ سے وابستہ رہی اس وقت تک اس کی ترقی کی رفتار بھی تیز رہی اور عالمی قیادت میں بھی اس کا نمایاں کردار رہا اور دنیا بھر کے انسانوں کی رہنمائی کے لئے بہترین نمونہ پیش کرتی رہی۔

لیکن جب مسلمانوں میں بنیادی عقائد کی تعلیم وتربیت کا نظام کمزور پڑ گیا اور اخلاقی اقدار میں ضعف پیدا ہوا تو اس کے اثرات مسلمانوں کی سیاسی، اجتماعی اور قانونی زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ پھر استعماری دور میں اسلامی روایات، نظام تعلیم، قانون اور تہذیب وتمدن کو مٹانے کے لئے منظم کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں برصغیر میں ملک کے اسلامی، عدالتی اور تعلیمی نظام کی جگہ استعمار کے اپنے نظام نے لے لی۔ اس صورت حال نے اس پورے خطہ کو بری طرح متاثر کیا اور بتدریج ہر شعبہ زندگی میں شر وفساد سرایت کرتا چلا گیا جس کے تباہ کن اثرات سے آج ہم دوچار ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے برحق فرمایا تھا:

نَحْنُ قَوْمٌ أَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ، وَإِنِ ابْتَغَيْنَا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهِ أَذَلَّنَا اللّٰهُ

ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت بخشی اگر ہم نے عزت کو

اسلام کے علاوہ کسی اور نظام حیات میں تلاش کیا تو اللہ ہم کو ذلیل کر دے گا۔

لیکن آج مسلمانوں میں موجودہ صورت حال کو تبدیل کرنے کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ غیر اقوام کے قانون سے خود کو آزاد کرا کے قرآن وسنت کے نظام حیات میں دوبارہ عزت تلاش کریں۔ اسی تڑپ کے وہ مظاہر ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں عالم اسلام اور عالم کفر کے مابین کشمکش کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔

امتِ مسلمہ کو ایسے رجالِ کار کی ضرورت ہے جن کی جدید قانونی نظریات پر تنقیدی نظر ہو۔ اور جو فقہ اسلامی کے اصلی ماخذوں سے استفادہ کرنے کی دسترس رکھتے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا احکام شریعت کی اکملیت، حقانیت اور ان کے قابل عمل ہونے پر غیر متزلزل ایمان اور ان احکام کو رو بہ عمل دیکھنے کی حقیقی تمنا اور لگن بھی ہو۔

ایسے رجال کار کی تیاری میں شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد بھی اپنے قیام کے روزِ اول سے مصروف عمل ہے۔ اس سلسلے میں بیرون ملک کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی قانون دان طبقوں کے تربیتی پروگراموں کا انعقاد مسلسل جاری ہے۔ اس کے علاوہ تصنیف وتالیف کے شعبہ میں فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر شریعہ مونوگرافس کی تیاری اور اردو اور انگریزی زبانوں میں تراجم کا کام بھی ہو رہا ہے۔ شریعہ اکیڈمی کے تحت "مطالعہ اسلامی قانون" پر ایک ابدائی کورس کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس ایک سالہ فاصلاتی کورس کے ذریعے اندرون اور بیرون ملک سینکڑوں افراد اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر چکے اور کر رہے ہیں۔

ہم نے اس ابتدائی کورس کے آغاز پر اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر "ایڈوانس کورسز" تیار کیے جا رہے ہیں اور جلد ہی ان کو شروع کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمارے عزم کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا، ہماری راہیں آسان فرمائیں اور ہم اس قابل ہوئے کہ اصول فقہ (ISLAMIC JURISPRUDENCE) میں اختصاصی مطالعہ (ADVANCE COURSE) کا اجراء کر سکیں۔ فاصلاتی نظام کے تحت یہ اختصاصی مطالعہ چوبیس درسی اکائیوں پر مشتمل اور ایک سالہ دورانیہ کا ہے۔

اسلامی قانون میں دیگر اختصاصی مطالعہ جات کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ہم بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اس نے جس طرح ہمیں اصولِ فقہ میں اس اختصاصی مطالعہ کو شروع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اسی طرح ہمارے دیگر منصوبوں کی تکمیل میں بھی فضلِ الٰہی شاملِ حال رہے گا۔ إن شاء الله۔

پاکستان بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر قانونِ الٰہی کے غلبہ وقیادت کے لئے مطلوبہ رجالِ کار کی تیاری کسی ایک ادارے کا کام نہیں ہے بلکہ اس میں امت مسلمہ کے ہر فرد کو اپنی حیثیت کے مطابق کردار ادا کرنا ہے۔

ہم اہل علم سے ایسی تجاویز کا خیر مقدم کریں گے جو ہمارے منصوبوں کی بہتری میں ممد ومعاون ہوں۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تعارف

زیر نظر درسی اکائی مصادر ثانویہ کے سلسلہ کی اگلی کڑی ہے جس میں تین ثانوی مصادر یعنی استحسان،استصحاب اور استدلال پر مواد پیش کیا گیا ہے۔ فقہ اسلامی میں استنباط احکام کے لئے ان تینوں مصادر سے بہت استفادہ کیا گیا ہے۔ مصادر فقہ اسلامی میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے عملی مسائل کا بہترین حل پیش کرتے ہیں۔ فقہاء کرام لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے ان مصادر شریعت کو اس طرح بروئے کار لائے کہ انسانی زندگی سے مشقت وتکلیف دور اور سہولت وآسانی پیدا ہوئی۔

اس درسی اکائی کا مقصد بھی یہ ہے کہ طلبہ جان لیں کہ استنباط احکام میں ان مصادر سے کس حد تک اور کس طرح مدد لی جاسکتی ہے۔ استحسان، استصحاب اور استدلال کو بطور مآخذ و مصدر اختیار کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فقہاء کی آراء کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے تاکہ آپ کو فقہی اختلاف کے طرز و آداب کا پتہ چلے اور مختلف فقہی نقطہ ہائے نظر کی اہمیت وافادیت واضح ہو۔

استحسان

لغوی معنی (۱)

یہ لفظ "حَسَن" سے بنا ہے جس کے معنی ہیں "اچھا" استحسان کا مطلب ہے کسی اچھی چیز کی جستجو کرنا یا کسی چیز کو اچھا سمجھنا۔ خواہ وہ چیز حسی ہو یا معنوی اور خواہ اس چیز کو اچھا قرار دینا علم کی بنیاد پر ہو یا لاعلمی کی بنا پر ہو۔

مثلاً ایک شخص کا کسی طعام، مشروب یا رائے کو اچھا سمجھنا استحسان کہلائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مشروب، طعام یا رائے کسی دوسرے شخص کے نزدیک اچھی نہ ہو۔

اصطلاحی معنی

علمائے اصولِ فقہ نے استحسان کی متعدد تعریفیں کی ہیں جن میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں:

علمائے حنفیہ کی تعریفیں

۱۔ جس چیز کا قیاس تقاضا کرے اس کو چھوڑ کر اس سے قوی تر قیاس پر عمل کرنا استحسان کہلاتا ہے (۲)۔

۲۔ کسی قوی تر دلیل کی بنیاد پر قیاس کو خاص کرنے کا نام استحسان ہے (۳)۔

۳۔ قیاس کو ترک کر کے اس چیز کو اختیار کرنا جو لوگوں کے لیے زیادہ موافق ہو (۴)۔

۴۔ کسی مسئلہ کے نظائر میں موجود حکم کو کسی قوی تر وجہ کی بناء پر چھوڑ کر اس کے خلاف حکم لگانا (۵)۔

۱۔ البحرالمحیط ج ۷ / ۸۷، ۶۔ شرح مختصر الروضہ ۳ / ۱۹۰، البردیسی، اصول الفقہ ص ۳۰۵۔ البخاری، کشف الاسرار ۵ / ۴۔ الوجیز فی اصول الفقہ ص ۲۶۶

۲۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۲۱۱

۳۔ حوالہ بالا ۴ / ۲۱۲۔ ارشاد الفحول ۲ / ۲۶۰

۴۔ السرخسی، المبسوط ۱۰ / ۱۴۵

۵۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۲۱۲۔ شرح مختصر الروضہ ۳ / ۱۹۸

علمائے مالکیہ کی تعریفیں

۱۔ جزئی مصلحت کو قیاس کلّی کے مقابلہ میں استعمال کرنا استحسان کہلاتا ہے (۶)۔

۲۔ دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل کو اختیار کرنا استحسان ہے (۷)۔

حنبلی علماء کی تعریف

قوی تر دلیل کی بنا پر قیاسِ جلی کو ترک کرنے کا نام استحسان ہے (۸)۔

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مجتہد کا کسی ایسی قوی تر دلیل کی بناء پر جس پر اس کا دل مطمئن ہو، کسی مسئلہ میں قیاسِ جلی کو چھوڑ کر قیاس خفی اختیار کرنا یا حکم کلّی یا قاعدہ عامہ سے کسی ایک جزئیہ کا استثناء یا تخصیص کرنا استحسان کہلاتا ہے۔

استحسان کی ضرورت واہمیت

فقہ اسلامی جامد اصول و قوانین کا مجموعہ نہیں ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات میں نئے مسائل کا حل پیش نہ کر سکے۔ مصادر فقہ اسلامی میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ زمان و مکان کے تغیر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے متنوع انسانی مسائل کا حل پیش کریں اور لوگوں کی دینی اور عمرانی ضرورتوں اور مصلحتوں کی حفاظت کریں۔ انہی مصادر میں سے ایک مصدر استحسان ہے۔

عملی زندگی میں بعض اوقات ایسی صورت حال پیش آجاتی ہے کہ کسی مسئلہ کی مخصوص نوعیت کی بنا پر قیاس اور کلّی و عمومی احکام پر عمل سود مند ثابت ہونے کی بجائے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ ایسی صورت میں قیاس یا حکم عام کو ترک کر کے اس حکم پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس میں لوگوں کی بہتری، ان کی دینی و عمرانی ضرورتوں اور مصلحتوں کا حصول اور ان سے مفاسد کو دور کرنا ممکن ہو جائے۔ استحسان کا اصول ایک مجتہد کے لیے یہ راستہ کھول دیتا ہے کہ وہ قیاس یا کلّی حکم کے ضرر رساں پہلو کو ترک کر کے اس کے مخالف کسی مفید حکم کو اختیار کرلے۔

شریعت اسلامیہ نے بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کی رعایت کرنے اور ان سے تنگی و نقصان کو دور کرنے کی واضح تعلیم دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۶۔ الاعتصام ۲/ ۱۳۹

۷۔ شرح مختصر الروضۃ ۳/ ۱۹۸

۸۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۵۱۲

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۹)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (۱۰)

اور (اللہ نے) دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی

نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان دونوں کو بطور ہدایت فرمایا:

يسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا(۱۱)

آسانی کرنا اور سختی نہ کرنا اور خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا بلکہ شوق دلانا

استحسان سے ملتا جلتا ایک صریح حکم قرآن کریم میں موجود ہے وہ یہ کہ حالت اضطرار میں حرام اشیاء کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، جس سے نظریہ ضرورت اور فقہی فائدہ نکلتا ہے کہ "ضرورت کے وقت مکروہ و ممنوع اشیاء کی اباحت ہو جاتی ہے"۔ لہذا نظریہ ضرورت اور اضطرار استحسان کے ملائم ما خذ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ استحسان کی تہہ میں بھی انسانی ضرورت عمل پیرا ہوتی ہے جو خفیف ہوتی ہے جبکہ نظریہ ضرورت اور اضطرار کے ضمن میں آنے والی ضرورت شدید ہوتی ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

حجیتِ استحسان

قائلین استحسان اور ان کے دلائل

علمائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے استحسان کو احکام کے استنباط میں ایک شرعی حجت کے طور پر تسلیم کیا ہے (۱۲) یوں تو فقہ اسلامی کے ان تینوں مذاہب کے فقہاء نے استنباط احکام میں استحسان سے خوب کام لیا ہے لیکن اسے ایک مستقل دلیل کے طور پر استعمال کرنے میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے فقہی مکتب سے تعلق رکھنے والے فقہاء کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ یہ اصطلاح بھی علمائے احناف کی اختیار کردہ ہے۔

۹۔ البقرۃ: ۱۸۵

۱۰۔ الحج: ۷۸

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب الآداب ۳/ ۳۹۹

۱۲۔ شرح مختصر الروضۃ ۳/ ۱۹۵۔ ارشاد الفحول ۲/ ۲۶۲۔ السرخسی، المبسوط ۱۰/ ۱۴۵۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۵۱۲، البردیسی، اصول الفقہ ص ۳۱۹۔ البخاری، کشف الاسرار ۴/ ۴۔ البحر المحیط ۴/ ۹۴۔ الاعتصام ۲/ ۱۳۸۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/ ۲۱۴۔ الیسر فی اصول الفقہ الاسلامیہ ص ۱۵۷۔ اصول الفقہ الاسلامی ص ۲۰۵

مالکی فقہاء نے بھی اپنے اجتہادات میں استحسان پر بکثرت عمل کیا ہے۔امام مالک بن انسؒ نے تو استحسان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ علم کا ۹ / ۱۰واں حصہ ہے (۱۳) ان کے نزدیک ایک قیاسی حکم کے مقابلے میں کسی مصلحت کو ترجیح دینا استحسان ہے جب کسی ظاہر قیاس پر عمل کرنے سے تنگی، سختی اور مشقت پیدا ہوتی ہو یا قیاس کے مقابلے میں کوئی عرف غالب یا ایسی مصلحت پائی جائے جو قابل ترجیح ہو تو ایسے موقع پر ظاہر قیاس کا حکم ترک کر دیا جائے گا اور اس کے مقابلے میں عرف، مصلحت یا کسی اور دلیل پر مبنی آسان حکم اختیار کر لیا جائے گا اور یہ استحسان کہلائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے بھی استحسان کے اصول کو تسلیم کیا ہے (۱۴)۔

جمہور علماء استحسان کی حجیت کے حق میں جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں :

قرآن مجید

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

۱۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (۱۵)

پس (اے نبیؐ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو احسن قول کی پیروی کرتے ہیں۔

۲۔ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (۱۶)

اور پیروی اختیار کر لو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی۔

۳۔ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا (۱۷)

اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان (ہدایات) کے بہترین مفہوم کی پیروی کریں۔

یہ آیات محض "احسن" ہونے کی بنا پر بعض چیزوں کی اتباع کرنے کا حکم دیتی ہیں لہذا ان میں استحسان پر عمل کی دلالت موجود ہے۔

۴۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۱۸)

اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا۔

۱۳۔ الاعتصام ۲ / ۱۳۸۔ الموافقات ۴ / ۲۰۹۔

۱۴۔ الآمدی۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۲۰۹ الاعتصام ۳ / ۶۱۱۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۵۰۸

۱۵۔ الزمر : ۱۷، ۱۸

۱۶۔ الزمر : ۵۵

۱۷۔ الاعراف : ۱۴۵

۱۸۔ البقرۃ : ۱۸۵

استحسان پر عمل کرنے سے تنگی و سختی کو چھوڑ کر آسانی اختیار کی جاتی ہے اور یہ دین کا اصول ہے جو مندرجہ بالا آیتِ قرآنی سے واضح ہوتا ہے:

سنّت

۵۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا (۱۹)

آسانی کرنا اور سختی نہ کرنا اور خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا بلکہ شوق دلانا۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

فما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (۲۰)

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر استحسان حجت نہ ہوتا تو اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوتا۔

عمل صحابہؓ

۷۔ صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے بھی استحسان کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

مثلاً حضرت عمرؓ کے عہد حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ورثاء میں خاوند، والدہ، دو سگے بھائی اور دو ماں شریک بھائی شامل تھے۔ میراث کے قواعد کے مطابق سگے بھائی عصبات میں شمار ہوتے ہیں اور ماں شریک بھائی اصحابِ فروض میں شمار ہوتے ہیں۔ اصحابِ فروض وہ ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیے ہیں اور عصبات وہ ورثاء ہیں جن کے حصے مقرر نہیں ہیں بلکہ اصحابِ فروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات کے حصہ میں آئے گا۔

اس واقعہ میں متوفیہ کے ترکہ میں سے خاوند کا نصف حصہ، والدہ کا چھٹا حصہ اور ماں شریک بھائیوں کا ایک تہائی حصہ بنتا تھا اور انہیں دینے کے بعد سگے بھائیوں کے لیے کچھ نہیں بچتا تھا۔ اس تقسیم کی رو سے سگے بھائی میراث سے محروم ہو رہے تھے اور ان کا نقصان تھا۔ جبکہ سگے بھائیوں کا مرنے والی عورت سے دہرا رشتہ تھا۔ یعنی وہ ان کی سگی بہن بھی تھی اور اپنے باپ کی طرف سے بھی وہ متوفیہ کے بھائی تھے۔

حضرت عمرؓ نے سگے بھائیوں کے نقصان کو دور کرنے کے لیے میراث کے عام قیاسی قاعدہ کو ترک کر کے سگے بھائیوں کو ماں

۱۹۔ صحیح بخاری کتاب الآداب ۳ / ۳۹۹

۲۰۔ مسند الامام احمد حنبل ۱ / ۳۷۹

شریک بھائیوں میں شمار کرکے ان سب کو ایک تہائی میں حصہ دار بنا دیا۔

اجماع امت

۸۔ استحسان کو اختیار کرنے پر امت مسلمہ کا اجماع پایا جاتا ہے۔

امت بہت سارے مسائل میں قیاس کو ترک کرکے استحسان پر عمل کرتی چلی آرہی ہے اور کسی نے اس عمل کی مخالفت نہیں کی مثلاً مقررہ اجرت دے کر حمام میں نہانا جبکہ حمام میں دوران غسل استعمال کیے جانے والے پانی اور صابن کی مقدار اور حمام کے اندر ٹھہرنے کی مدت مقرر نہیں ہوتی اور قیاس ظاہر کا تقاضا تھا کہ یہ سب باتیں طے کیے بغیر حمام میں نہانا ممنوع ہوتا۔ مگر امت نے عملی طور پر اس قیاس کو ترک کر دیا اور یہی استحسان ہے۔

منکرینِ استحسان اور ان کے دلائل

علمائے شافعیہ نے استحسان کا انکار کیا ہے (۲۱)۔ اور کہا ہے کہ استحسان اپنی خواہش نفس سے رائے دینا ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول ہے کہ "جس نے استحسان پر عمل کیا اس نے اپنی طرف سے نئی شریعت وضع کی "استحسان کا انکار کرنے والے مزید یہ کہتے ہیں کہ اگر دین میں استحسان پر عمل کرنے کی اجازت دے دی گئی تو بے علم لوگوں کے لیے فتویٰ دینے کا دروازہ کھل جائے گا اور ہر شخص اپنی خواہش نفس کے مطابق احکام گھڑنے لگے گا۔

استحسان کی مخالفت کرنے والے بعض علماء نے یہ دلیل دی ہے کہ شریعت اسلامی کا کوئی حکم خلاف قیاس نہیں ہے۔ اگر کوئی حکم بظاہر خلافِ قیاس معلوم ہو تو اس میں دو امکان پائے جا سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ قیاس ہی سرے سے غلط ہوگا یا پھر یہ کہ وہ حکم قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ جن مسائل میں استحسان قرآن یا سنت کی کسی نص یا اجماع سے ثابت ہے تو پھر یہ شریعت کا استحسان ہوا۔ ایک بالکل نئی دلیل قائم کرکے اسے استحسان کا نام دینا بے فائدہ ہے۔

منکرین استحسان کے چند اہم دلائل یہ ہیں:

قرآن مجید

۱۔ شارع نے انسان کو اس کی دنیوی زندگی میں بغیر رہنمائی کے نہیں چھوڑا بلکہ اس کے لیے احکام وضع کر دیے ہیں۔

۲۱۔ البحر المحیط ۶/ ۹۳۔ البزدوی، اصول الفقہ ص ۳۲۰۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/ ۲۱۰۔ الاعتصام ۲/ ۱۵۰، ۱۳۶۔ شرح مختصر الروضۃ ۲/ ۱۹۲۔ ارشاد الفحول ۲/ ۲۶۱۔ اصول الفقہ الاسلامی ص ۲۰۶۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۵۰۴۔ المستصفیٰ ۱/ ۲۷۴۔ الرسالۃ ص ۲۲۰۔ الام ۷/ ۲۹۸۔ روضۃ الناظر ۲/ ۵۳۳

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى (۲۲)

کیاانسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔

۲۔ مختلف مسائل کا حکم معلوم کرنے کے لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے اور خواہشاتِ انسان کی پیروی سے گریز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ (۲۳)

اور تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

۳۔ کسی مسئلہ میں اختلاف کی صورت میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ استحسان کی طرف رجوع کرو۔

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (۲۴)

پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔

سنّت

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما ترکت شیئاً مما امرکم اللہ بہ إلا وقد امرتکم بہ ولا شیئاً مما نہاکم عنہ الا وقد نہیتکم عنہ (۲۵)

میں نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا مگر یہ کہ میں نے تمہیں اس کا حکم دے دیا اور کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس سے اللہ نے تمہیں منع کیا ہو مگر یہ کہ میں نے تمہیں اس سے منع کر دیا۔

۵۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب انہیں بطور گورنر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا ان سے پوچھا: جب تمہارے پاس مقدمہ آئے گا تو اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم سنت رسول ﷺ میں بھی نہ پاؤ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے رسول اللہ (ﷺ) کے نمائندہ کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا

۲۲۔ القیامۃ: ۳۶

۲۳۔ المائدہ: ۴۹

۲۴۔ النساء: ۵۹

۲۵۔ الام ۷/۲۹۹

رسول ﷺ راضی اور خوش ہے (۲۶)۔

دیکھئے حضرت معاذ بن جبلؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں استحسان سے کام لوں گا بلکہ انہوں نے قرآن، سنت اور اجتہاد کا ذکر فرمایا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ کی رائے کی توثیق فرمائی۔

عملِ صحابہؓ

۶۔ صحابہ کرامؓ نے غیر منصوص مسائل میں استنباطِ احکام کے لیے ہمیشہ اصول ثابتہ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) کی طرف رجوع فرمایا۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ میں نے اس مسئلہ میں یہ حکم اختیار کیا ہے کیونکہ میری طبیعت اس طرف مائل ہے یا یہ کہ یہ میری خواہش اور رضا کے موافق ہے۔ اگر وہ ایسا کہتے تو اس کی سخت مخالفت ہوتی۔

عقل

۷۔ استحسان کی بنیاد ذاتی رجحان اور خواہشِ نفس پر ہے استحسان کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ ایسی دلیل ہے جسے مجتہد اپنی عقل اور رائے کے مطابق بہتر سمجھے اور اس کی طرف جھکے۔ کسی شخص کی عقل کی بنیاد پر دین کے احکام کی عمارت تعمیر نہیں کی جا سکتی۔

۸۔ استحسان کا کوئی ضابطہ اور پیمانہ نہیں ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ حق کتنا ہے اور باطل کتنا ہے۔ مزید یہ کہ اگر اسے اختیار کر لیا جائے تو ایک ہی مسئلہ میں مختلف احکام صادر کیے جائیں گے۔ ہر حاکم اور مفتی کے لیے جائز ہو گا کہ وہ غیر منصوص مسائل میں استحسان سے کام لیتے ہوئے الگ الگ حکم اور فتویٰ دے۔

۹۔ اگر استحسان کی اجازت دے دی گئی تو پھر عالم و جاہل ہر ایک کو اجازت ہو گی کہ وہ اپنے لیے نئی شریعت ایجاد کر لے اس طرح کئی شریعتیں بن جائیں گیں۔ کیونکہ اغراض و خواہشات اختلافِ طبائع کے باعث مختلف ہیں۔

۱۰۔ استحسان کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ ایک ایسی دلیل ہے جو مجتہد کے دل پر تو منکشف ہوتی ہے مگر وہ زبان سے اس کا اظہار کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

جو چیز بیان نہ کی جا سکے اس کے بارے میں یہ کیسے جانا جا سکتا ہے کہ وہ حقیقی چیز ہے یا محض وہم۔ اسے ضرور واضح اور ظاہر ہونا چاہیے تاکہ دلائل کی روشنی میں اسے اختیار یا رد کرنے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

منکرین استحسان کی غلط فہمی

جن علمائے اصول نے استحسان کی حجیت کا انکار کیا ہے انہوں نے لفظ استحسان سے مراد ذاتی خواہش اور طبعی رجحان کے تحت

۲۶۔ سنن ابو داؤد، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرای فی القضاء ۹۴/۳

بغیر دلیل کے استنباطِ احکام کرنا لی ہے اور یہ کہ جس چیز کو فقیہ کی طبیعت اور خواہش اچھا سمجھے وہی استحسان ہے۔

قائلین استحسان نے لفظ استحسان سے وہ مراد نہیں لی جو اس کے منکرین نے اختیار کی ہے۔ جمہور علمائے اصول جنہوں نے استحسان کو حجت قرار دیا ہے وہ بھی ہوائے نفس اور ذاتی اغراض کے تحت اور بلا دلیل استنباطِ احکام کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کے نزدیک قیاس ظاہر یا حکم عام کو دلیل کے ساتھ ترک کرنے کا نام استحسان ہے۔ امام شافعیؒ نے جس استحسان کا انکار کیا ہے وہ ہے جو صرف عقل، رائے اور ذاتی غرض و خواہش پر مبنی ہو اور جس کے پیچھے کوئی دلیل شرعی نہ ہو۔ اسی لیے ایک شافعی فقیہ علامہ قفالؒ نے کہا ہے کہ اگر استحسان سے مراد یہ ہے کہ جس چیز پر تمام اصول اپنے معانی کے ساتھ دلالت کریں تو اس کو بطور دلیل اختیار کرنا اچھا ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے (۲۷)۔

امام شافعیؒ نے اگرچہ استحسان کا انکار کیا ہے لیکن انہوں نے کئی مسائل میں ایسے فتاویٰ دیے ہیں جن کی بنیاد استحسان پر رکھی گئی ہے جن میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں (۲۸)۔

۱۔ شفیع (Pre-emptioner) کے لیے ثبوتِ شفعہ (Pre-emption) کی مدت تین ایام ہے۔

۲۔ چور اگر اپنا بائیاں ہاتھ نکال دے اور وہ چوری کی سزا میں بطور حد کاٹ دیا جائے تو قیاس یہ کہتا ہے کہ اس کا دائیاں ہاتھ کاٹا جائے لیکن استحسان کی رو سے اب اس کا دائیاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۳۔ عوامی حمام استعمال کرنے کا جواز۔

استحسان پر عمل کے اصول

علمائے اصولِ فقہ نے قیاس کے مقابلے میں استحسان کو ترجیح دینے کے کچھ اصول مقرر کیے ہیں جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے (۲۹)۔

۱۔ دلیل کی قوت کے اعتبار سے ترجیح دینا

۱۔ اگر قیاس اور استحسان دونوں قوی ہوں تو اس صورت میں قیاس راجح ہوگا۔

۲۔ اگر قیاس اور استحسان دونوں ضعیف ہوں تو قرائن کے تحت کسی ایک کے لیے ترجیحی صورت پیدا کی جا سکتی ہے۔

۳۔ اگر قیاس قوی اور استحسان ضعیف ہو تو قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔

۲۷۔ البحر المحیط ۲ / ۹۰۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۵۰۵

۲۸۔ البحر المحیط ۲ / ۹۵۔ البردیسی، اصول الفقہ ص ۳۲۲۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۲۱۰۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۵۶۔ التلویح والتوضیح ص ۲ / ۵۸۹

۲۹۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۳۳۲ ومابعد۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۵۱۱

۴۔ اگر استحسان قوی اور قیاس ضعیف ہو تو اس صورت میں استحسان کو قیاس پر ترجیح حاصل ہو گی۔

ب۔ دلیل کی صحت اور فساد کے اعتبار سے قیاس اور استحسان کی صورتیں

۱۔ جس قیاس کا ظاہر وباطن دونوں صحیح ہوں اس کو استحسان پر ترجیح حاصل ہو گی۔

۲۔ جس قیاس کا ظاہر وباطن دونوں فاسد ہوں اسے ترک کر دیا جائے گا۔

۳۔ جس استحسان کا ظاہر وباطن دونوں صحیح ہوں وہ اس قیاس پر ترجیح پائے گا جس کا ظاہر صحیح اور باطن فاسد یا ظاہر فاسد اور باطن صحیح ہو۔

۴۔ جس استحسان کا ظاہر وباطن دونوں فاسد ہوں وہ نا قابل قبول ہو گا۔

ج۔ قیاس اور استحسان میں تعارض کی صورت میں اصولِ ترجیح

۱۔ اگر استحسان کا ظاہر صحیح اور باطن فاسد ہو اور قیاس کا ظاہر فاسد اور باطن صحیح ہو تو قیاس راجح ہو گا۔

۲۔ اگر استحسان کا ظاہر فاسد اور باطن صحیح ہو اور قیاس کا باطن فاسد اور ظاہر صحیح ہو تو استحسان کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔

۳۔ اگر استحسان کا ظاہر صحیح اور باطن فاسد ہو اور قیاس کا ظاہر صحیح اور باطن فاسد ہو تو قیاس کو ترجیح حاصل ہو گی۔

۴۔ اگر استحسان کا باطن صحیح اور ظاہر فاسد اور قیاس کا بھی باطن صحیح اور ظاہر فاسد ہو تو قیاس لائق ترجیح ہو گا۔

استحسان کی اقسام

۱۔ استحسان بالنص (۳۰)

اگر کسی مسئلہ میں قیاس اور عام قواعد کی رو سے ایک حکم ثابت ہوتا ہو لیکن قرآن یا سنت کی کوئی نص اس حکم کے برعکس موجود ہو اور وہ نص اس جزئی مسئلہ کو اس عام حکم سے مستثنیٰ کرتی ہو جو قواعد عامہ کے تقاضوں کے مطابق اس جیسے دوسرے مسائل کے لیے ثابت ہے تو ایسی نص پر عمل کرنا استحسان بالنص کہلاتا ہے۔

استحسان کی اس صورت میں کسی مسئلہ کے اس حکم کو ترک کر دیا جاتا ہے جس کا تقاضا قیاس اور قواعد عامہ کریں اور اس کے

۳۰۔ الاعتصام ۴/ ۱۳۹، البردیسی اصول الفقہ ص ۳۰۸۔ لآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ۴/ ۲۱۱۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۵۰، البحر المحیط ۲/ ۹۲۔ کشف الاسرار ۴/ ۱۰، اصول الفقہ اسلامی ص ۱۹۸۔ الوجیز ۲۶۹۔ التلویح والتوضیح ۲/ ۵۹۰۔ علم اصول الفقہ ص ۸۱

برخلاف کسی ایسے حکم کو اختیار کر لیا جاتا ہے جو نص سے ثابت ہو۔ یعنی قیاس اور قواعد عامہ کی رو سے کسی مسئلہ کا حکم کچھ اور ہونا چاہیے تھا لیکن استحساناً اس حکم کے برخلاف نص کے حکم پر عمل کر لیا جاتا ہے۔

استحسان بالنص کی چند مثالیں

۱۔ اگر کوئی شخص یہ کہے "میں نے اپنا مال صدقہ کیا" تو قیاس کی رو سے اس کا سارا مال صدقہ شمار کیا جانا چاہیے کیونکہ مال کا لفظ مطلق اور عام ہے لیکن قرآن مجید کی نص وارد ہو جانے سے استحساناً اس کے کل مال میں سے صرف وہی مال صدقہ شمار کیا جائے گا جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو۔ قرآن مجید کی آیت ہے :

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۳۱)

(اے نبیؐ) تم ان کے اموال میں سے صدقہ لو۔

یہاں لفظ "اموال" بظاہر مطلق اور عام ہونے کے باوجود صرف اموالِ زکوٰۃ کے لیے استعمال ہوا ہے لہٰذا استحسان بالنص کے مطابق مذکورہ شخص کے قول "میں نے اپنا مال صدقہ کیا" سے مراد اس کے کل مال میں سے صرف مالِ زکوٰۃ کا صدقہ ہی ہوگا۔

۲۔ بیع السلم (سین اور لام پر زبر) ایک ایسی بیع ہے جس میں معاہدہ بیع کے وقت فروخت کی جانے والی چیز موجود نہیں ہوتی لیکن اس کی قیمت ادا کر دی جاتی ہے اور ایک مقررہ مدت کے بعد وہ چیز خریدار کو دینے کا معاہدہ کیا جاتا ہے گویا کہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے اور قواعد کی رو سے معدوم چیز کی بیع باطل ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ :

لا تبع ما لیس عندك (۳۲)

جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اسے مت بیچو۔

اس حدیث کا حکم عام ہے جس سے ہر معدوم چیز کی بیع ناجائز ٹھہرتی ہے شریعتِ اسلامیہ کا عام قاعدہ یہی ہے۔ لیکن بیع سلم اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اور یہ استثناء (EXception) خود حدیث پاک سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

من اسلف فی شیءٍ ففی کیل معلوم و وزن معلوم إلی اجل معلوم (۳۳)

جو شخص کسی چیز میں سلم (کا معاہدہ) کرے تو معین ناپ اور معین وزن میں اور ایک معین مدت تک کرے۔

۳۱۔ التوبہ ۱۰۳

۳۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب التجارات ۲/ ۱۵۲

۳۳۔ صحیح بخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۷۷

یوں بیع سلم کے معاملہ میں نص کی بناء پر قیاس کو چھوڑ دیا گیا اور یہ استحسان بالنص ہے۔ اگر کوئی روزہ دار بھول کر کچھ کھا پی لے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ روزہ فاسد ہو جانا چاہیے' کیونکہ عام اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے رکن کے ختم ہو جانے پر باقی نہیں رہتی (۳۴)۔ روزے کا رکن امساک (کھانے' پینے اور خواہشات' نفسانی سے رکے رہنا) ہے جو کہ کھاپی لینے سے ختم ہو گیا۔ روزے کی حالت میں کھانا پینا روزے کے منافی ہے اور کوئی چیز اپنے کسی منافی وجود کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔ لہذا روزہ فاسد قرار دیا جانا چاہیے لیکن بھول کر کھاپی لینے کی صورت میں روزے کو استحساناً درست قرار دیا گیا۔ اس استحسان کی بنیاد ایک نص ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا نسي فاكل وشرب فليتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه (۳۵)

جب کوئی بھول کر کھاپی لے تو اپنا روزہ پورا کرے اس کو اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔

مندرجہ بالا نص کی وجہ سے بھول کر کھاپی لینے سے روزے کے فاسد ہونے کا حکم ترک کر دیا گیا اور استحساناً روزے کے باقی رہنے کا حکم نافذ کر دیا گیا۔

۲۔ استحسان بالاجماع (۳۶)

جب مجتہدین کسی مسئلہ میں اس سے ملتے جلتے مسئلوں اور نظائر (Precidents) کے حکم عام کے خلاف کسی حکم پر متفق ہو جائیں یا وہ عامۃ الناس کے کسی ایسے فعل پر سکوت اختیار کر لیں اور اس کی مخالفت نہ کریں جو فعل مقررہ اصولوں اور عام قواعد کے خلاف ہو تو مجتہدین کے اتفاق (Consensus) یا سکوت کی بنا پر ایسے فعل کا جواز استحسان بالاجماع کہلائے گا۔

استحسان بالاجماع کی چند مثالیں

ا۔ استصناع یعنی کوئی چیز بنوانا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کاریگر سے کوئی چیز تیار کروانے کا معاہدہ کرتا ہے لیکن معاہدے کے وقت وہ چیز موجود نہیں ہوتی جس کے تیار کروانے کا معاہدہ کیا جا رہا ہے جبکہ اس چیز کی قیمت معاہدہ کے وقت ہی ادا کر دی جاتی ہے۔

ایسا معاہدہ قیاس کی رو سے باطل ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک معدوم چیز کی بیع کا معاہدہ ہے لیکن یہ استحسان بالاجماع کی بناء پر جائز

۳۴۔ البردیسی' اصول الفقہ ص ۳۰۱

۳۵۔ صحیح بخاری' کتاب الصوم ۱ / ۶۸۶ ما بعد

۳۶۔ ارشاد الفحول ۲ / ۲۶۳۔ الاعتصام ۲ / ۱۴۲۔ کشف الاسرار ۴ / الالوجیز ص ۲۶۹۔ علم اصول الفقہ ص ۸۶۔ البردیسی' اصول الفقہ ص ۳۱۰۔ الیسر فی اصول الفقہ ۱۵۱۔

ہے کیونکہ امتِ مسلمہ اپنے تعامل میں ایسے معاہدات کرتی چلی آرہی ہے اور فقہاء نے ان معاہدوں کو باطل قرار نہیں دیا بلکہ عامۃ الناس کی سہولت اور فائدے کی خاطر قیاس کو ترک کر دیا اور ایسی بیع کو مستحسن سمجھ کر اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔

۳۔ استحسان بالاجماع کی ایک اور مثال حمام میں اجرت دے کر نہانا ہے قیاس اور عام قواعد کی رو سے ایسا اجارہ فاسد ہے کیونکہ اس میں صرف اجرت / کرایہ مقرر ہوتا ہے جبکہ دوران غسل استعمال کیے جانے والے پانی اور صابن کی مقدار اور حمام کے اندر ٹھہرنے کی مدت غیر متعین ہوتی ہے۔

لیکن استحساناً ایسے اجارہ کو جائز کہا گیا ہے کیونکہ لوگوں میں اس کا ایسا ہی رواج ہے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ یہاں قیاسی حکم کو ترک کر کے اس کے خلاف وہ حکم اختیار کیا گیا ہے جو اجماع سے ثابت ہے۔

۴۔ استحسان بالقیاس الخفی (۳۷)

بعض اوقات کسی ایک مسئلہ میں دو قیاس سامنے آجاتے ہیں ایک قیاس جلی اور دوسرا قیاس خفی۔

۱۔ **قیاس جلی :** یہ وہ قیاس ہوتا ہے جس کی طرف مجتہد کا ذہن جلد متوجہ ہو جاتا ہے اور اسے اس ضمن میں زیادہ غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسے قیاس ظاہر بھی کہتے ہیں۔

۲۔ **قیاس خفی :** اس سے مراد وہ قیاس ہے جو قیاس جلی کے مقابلے میں پوشیدہ اور دقیق ہو اور مجتہد کا ذہن فوری طور پر اس کی طرف نہ جائے بلکہ غور و فکر کے بعد وہ مجتہد کے ذہن میں آئے۔

جب کسی مسئلہ میں دو قیاس پائے جائیں ایک جلی اور دوسرا خفی اور یہ دونوں قیاس ایک دوسرے سے متعارض ہوں یعنی ان کے حکم ایک دوسرے کے خلاف ہوں لیکن قیاس خفی زیادہ قوی ہو یا اس پر عمل کرنا لوگوں کے لیے آسانی اور فائدہ کا باعث ہو تو اس صورت میں قیاس جلی کے مقابلے میں قیاس خفی کو اختیار کر کے زیر غور مسئلہ پر اس کے مطابق حکم لگا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی سہولت اور مصلحت قیاس جلی کو ترک کرنے اور قیاس خفی پر عمل کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ قیاس خفی قیاس جلی کے مقابلے میں زیادہ قوی اور نتائج کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ قیاسِ جلی پر عمل کرنا اگر دشواری کا باعث اور ضرر رساں ہو تو مجتہد گہرا غور و فکر کر کے کوئی ایسا باریک اور پوشیدہ پہلو تلاش کرتا ہے جو قیاس جلی سے زیادہ طاقتور دلیل کی حیثیت رکھتا ہو اور یوں وہ اس دلیل کی بنا پر قیاس جلی کو ترک کر دیتا ہے جو دلیل قیاسِ جلی کے مقابلے میں قیاسِ خفی کو اختیار کرنے کا تقاضا کرتی ہے اس کو وجہِ استحسان یا سندِ استحسان کہتے ہیں اور جو حکم اس طرح

۳۷۔ کشف الاسرار ۴ / ۵ وما بعد۔ البحر المحیط ۶ / ۹۲۔ التلویح والتوضیح ۲ / ۵۸۹۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۵۳۔ الاعتصام ۲ / ۱۴۰۔ علم اصول الفقہ ص ۸۰۔ البرد یسی اصول الفقہ ص ۳۱۳۔ شرح مختصر الروضہ ۳ / ۲۰۰۔ الوجیز ص ۲۶۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۲۰، ۲۳۳۔ فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۰۰۔

ثابت ہوتا ہے وہ حکم استحسان کہلاتا ہے۔

احناف کے نزدیک قیاس خفی کا دوسرا نام ہی استحسان ہے اور اس نوع استحسان کا استعمال ان کی فقہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

اصل اعتبار دلیل کی قوتِ اثر کا ہے

قیاس جلی اور قیاس خفی دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کرنے اور دوسرے کو اختیار کرنے کے لیے اصل اعتبار دلیل کی قوت اثر اور صحت کا ہوگا۔ اس کے ظاہر یا پوشیدہ ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یعنی یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ فلاں دلیل ظاہر ہے اس کو اختیار کر لیا جائے اور فلاں دلیل ظاہر نہیں ہے لہذا اسے ترک کر دیا جائے۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ ان دونوں میں سے کون سی دلیل زیادہ صحیح اور زیادہ قوتِ اثر رکھتی ہے جیسے دنیا ظاہر ہے اور آخرت پوشیدہ ہے لیکن دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی اپنی قوت اثر کے اعتبار سے راجح ہے کیونکہ دنیا فانی اور اخروی زندگی کو دوام اور ہمیشگی حاصل ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے:

اگر دنیا سونے سے بنی ہوتی اور آخرت مٹی سے بنی ہوتی تب بھی ایک دانا شخص ختم ہو جانے والے سونے کے مقابلے میں ہمیشہ رہنے والی مٹی کو ہی اختیار کرتا (۳۸)۔

بینائی عقل کے مقابلے میں ظاہر ہے لیکن عقل اثر کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے کیونکہ عقل کا ادراک زیادہ پختہ اور مضبوط ہے۔ لہذا عقل راجح ہوگی۔

چنانچہ قیاس جلی کے مقابلے میں قیاس خفی کو اسی صورت میں اختیار کیا جائے گا جب اس کی دلیل کی صحت اور قوتِ اثر زیادہ ہو لیکن اگر قیاس خفی کے مقابلے میں قیاس جلی زیادہ قوی اور صحیح ہو تو پھر قیاس جلی کے مطابق ہی حکم لگایا جائے گا۔

استحسان بالقیاس الخفی کی چند مثالیں

۱۔ شکار کرنے والے پرندوں مثلاً شاہین، باز اور شکرا وغیرہ کے جھوٹے کی پاکی و ناپاکی کے مسئلہ میں قیاس جلی کا حکم یہ ہے کہ ان کا جھوٹا ناپاک ہے۔ ان کے جھوٹے کو شکار کرنے والے درندوں مثلاً شیر، ریچھ اور چیتا وغیرہ کے جھوٹے پر قیاس کیا گیا ہے۔ کیونکہ لعاب کا حکم گوشت کے تحت آتا ہے اور ان درندوں کا گوشت حرام ہے لہذا ان کا لعاب بھی حرام ہوا کیونکہ لعاب اس نجس گوشت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں قیاس خفی یہ ہے کہ پرندے چونچ سے کھاتے ہیں۔ چونچ ہڈی ہوتی ہے اور ہڈی پاک ہے۔ اگر مردہ کی ہڈی پاک ہے تو زندہ کی ہڈی بدرجہ اولی پاک ہے۔ پاک چونچ جب پاک چیز سے ملتی ہے تو کوئی ناپاکی پیدا نہیں ہوتی۔

اس کے برخلاف درندے زبان سے کھاتے پیتے ہیں اور زبان پر حرام گوشت سے پیدا ہونے والا نجس لعاب موجود ہوتا ہے جب

۳۸۔ کشف الاسرار ۴/ ۱۲

درندے کا نجس لعاب پاک چیز سے ملتا ہے تو اسے بھی ناپاک کر دیتا ہے۔ چونکہ پرندے زبان کی جائے چونچ سے کھاتے ہیں لہذا پرندے کے جھوٹے کو درندے کے جھوٹے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے قیاس جلی کو ترک کر کے اس سے قوی تر قیاس خفی پر عمل کرتے ہوئے شکار کرنے والے پرندوں کے جھوٹے کو استحساناً پاک قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ اگر زرعی زمین کو وقف کیا جائے اور وقف میں حقوق ارتفاق (Easement Rights) مثلاً پانی دینے کا حق، گزرنے کا حق اور پانی گزارنے کا حق وغیرہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو کیا یہ حقوق معاہدہ وقف میں خود بخود شامل ہوں گے؟ قیاس جلی یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ حقوق وقف میں شامل نہیں ہوں گے کیونکہ عقدِ وقف کو عقدِ بیع پر قیاس کیا جائے گا۔ معاہدہ بیع میں جب تک کسی چیز کا ذکر نہ کیا جائے وہ چیز ازخود اس معاہدے میں شامل نہیں ہوتی۔ بیع اور وقف کے درمیان جو قدر مشترک ہے وہ مالک سے چیز کی ملکیت کا اخراج ہے لہذا حقوق ارتفاق کا جب تک معاہدہ وقف میں ذکر نہیں کیا جائے گا وہ وقف میں شمار نہیں ہوں گے۔

قیاس خفی کا تقاضا ہے کہ وقف کو اجارہ پر قیاس کیا جائے وقف اور اجارہ کے درمیان جو قدر مشترک ہے وہ چیز سے منفعت حاصل کرنا ہے اس چیز کی ملکیت نہ وقف میں حاصل ہوتی ہے اور نہ اجارہ میں حاصل ہوتی ہے۔ یہ قیاس خفی ہے جس کے مطابق حقوقِ ارتفاق وقف کے حکم میں داخل ہوں گے خواہ ان کا ذکر معاہدہ وقف میں خاص طور پر نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ وقف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کو وقف کیا گیا ہے اس سے منفعت حاصل کی جائے اور حقوقِ ارتفاق کے بغیر یہ منفعت حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا استحساناً حقوق ارتفاق وقف میں داخل ہوں گے۔

۴۔ استحسان بالضرورة(۳۹)

جب کسی مسئلہ کے قیاسی حکم پر عمل کرنے سے تکلیف اور تنگی پیدا ہو اور اس حکم کا نفاذ کسی ضرر و نقصان کا موجب بنے یا کسی انسانی ضرورت کو پورا کرنا دشوار ہو جائے تو ایسی صورت میں اس مسئلہ کے قیاسی حکم کو ترک کر کے ایسے حکم کو اختیار کیا جائے گا جس سے تنگی و مشقت دور ہو اور انسانی ضرورت کی تکمیل ہو۔ استحسان ضرورت پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب کسی انسانی ضرر و تکلیف کو دور کرنے کی اشد ضرورت ہو اور قیاس پر عمل کرنے سے برے نتائج نکلنے کا قوی امکان ہو۔

استحسان بالضرورة کی چند مثالیں

۱۔ اگر کنویں میں ناپاک چیز گر جائے تو قیاس کی رو سے کنویں کا تمام پانی ناپاک ہے لہذا تمام پانی نکالا جانا چاہیے۔ لیکن عملی طور پر یہ حکم دشواری اور تکلیف پیدا کرتا ہے۔ کنویں سے جتنا پانی نکالا جائے گا، نیچے سے اتنا ہی اور پانی اوپر آجائے گا اور نیا پانی پہلے سے موجود ناپاک پانی سے مل کر ناپاک ہو جائے گا۔ اس طرح کنویں کے پانی کی تطہیر کی کوئی صورت نہیں نکلے گی۔ لہذا لوگوں کی ضرورت

۳۹۔ المسیر فی اصول الفقہ ص ۱۵۲۔ البردیسی اصول الفقہ ص ۳۱۲۔ کشف الاسرار ۴/ ۱۱۔ الوجیز ص ۷۰۔ ۳۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۲۳

کی خاطر اور دشواری دور کرنے کے لیے ایک معین مقدار میں پانی نکال لینا ہی کافی ہوگا۔ اس کے بعد کنویں کا سارا پانی، کنویں کی دیواریں اور ڈول وغیرہ سب پاک اور طاہر تصور کیے جائیں گے۔ اس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں معلوم کی جاسکتی ہیں۔

۲۔ جن چیزوں کی خرید و فروخت ناپ یا تول سے ہوتی ہے ان کو اگر قرض میں دیا جائے یا وہ جنس کے عوض بیچی جائیں تو ان کا ناپ تول میں برابر ہونا ضروری ہے ورنہ ناپ تول میں فرق سود شمار ہوگا جو حرام ہے۔ لیکن پکی ہوئی روٹیاں اس عام اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ پڑوسی آپس میں عام طور پر روٹیوں کا ادھار لین دین گن کر کرتے ہیں۔ جس سے روٹیوں کے وزن میں کمی بیشی ضرور ہو جاتی ہے، لیکن اس کمی بیشی کو سود نہیں کہا گیا اور فقہاء نے اس لین دین کو جائز قرار دیا ہے۔ ایسا حکم ضرورت کے تحت ہے کیونکہ پڑوسیوں کے مابین لین دین میں اس حد تک احتیاط کرنا باعث مشقت ہوگا۔ اس مثال میں ایسی تمام چیزیں داخل ہیں جو لوگوں کے مابین روزمرہ زندگی میں لین دین کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور جن کی کمی یا زیادتی میں احتیاط کرنا دشوار ہو۔

۵۔ استحسان بالعرف (۴۰)

استحسان کی یہ قسم ہر اس صورت میں پائی جائے گی جہاں کسی مسئلہ میں لوگوں کے عرف اور رواج پر عمل کیا جائے اور اس عرف کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے۔ لوگوں کے مابین جاری عرف اور عادت کو کسی مخالف قیاسی حکم کے مقابلے میں اختیار کرنا استحسان بالعرف کہلاتا ہے۔ فقہاء نے بہت سے مسائل میں قیاسی ضابطے یا قاعدہ عامہ کو چھوڑ کر اس کے خلاف لوگوں کے عرف و عادت کو دلیل بناتے ہوئے چیزوں کے جواز کا فتویٰ دیا اس لیے کہ خلاف قیاس عرف و عادت پر حکم جاری کرنے میں لوگوں کی مصلحت تھی۔

استحسان بالعرف کی چند مثالیں

۱۔ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس کے بعد وہ مچھلی کھالے تو ظاہر قیاس کی رو سے وہ حانث (قسم توڑنے کا مرتکب) ہو جائے گا۔ لیکن استحسان کی رو سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ عرف عام میں جب گوشت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس میں مچھلی شامل نہیں ہوتی۔ استحسان کا یہ حکم عرف پر مبنی ہے۔

۲۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر چیز مجھ پر حرام ہے تو قیاس یہ کہتا ہے کہ ان الفاظ کی محض ادائیگی سے ہی وہ شخص حانث ہو جائے گا کیونکہ اس نے ایک حلال چیز کا استعمال کر لیا ہے اور وہ ہے ہوا میں سانس لینا۔ لیکن استحساناً وہ حانث نہیں ہوگا۔ عرف کے اعتبار سے اس کا قول صرف کھانے پینے کی اشیاء تک محدود رہے گا۔ لہٰذا جب تک وہ کھانے یا پینے کی کوئی چیز استعمال نہیں کر لیتا اس پر قسم کا کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

۴۰۔ الاعتصام ۲ / ۱۴۱۔ البحر المحیط ۶ / ۹۲۔ الوجیز ص ۲۶۹۔ ۲۷۲۔ الیسر فی اصول فقہ ص ۱۵۵۔ البردیسی، اصول الفقہ ص ۳۱۵

۶۔ استحسان بالمصلحہ (۴۱)

جب ایک مسئلہ میں کسی مصلحت کی بنا پر قیاس کو ترک کر کے اس کے مخالف حکم پر عمل کیا جائے تو اسے استحسان بالمصلحہ کہتے ہیں۔ انسانی زندگی کے بہت سے مسائل میں بعض اوقات قیاسی حکم پر عمل کرنے سے ان مصالح کی تکمیل مشکل ہو جاتی ہے جن کا شریعت اسلامی نے اعتبار کیا ہے۔ جب کسی قیاسی ضابطے اور قاعدہ عامہ پر عمل ضرر رساں اور خلاف مصلحت ہو تو ایسی راہ اختیار کی جائے گی جس سے حصول مصلحت ممکن ہو جائے۔ البتہ ایسی صورت میں صرف ان مصالح کا لحاظ رکھا جائے گا جنہیں شریعت نے معتبر جانا ہے۔ خود ساختہ اور غیر شرعی مصلحتوں کی بنا پر قیاسی احکام اور عام قواعد کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

مصلحت کی خاطر دلیل کو ترک کر دینے کا اصول خاص طور پر فقہ مالکیہ کا ایک نمایاں وصف ہے۔ امام مالکؒ اور دیگر مالکی فقہاء نے اپنے بہت سے فتاویٰ کی بنیاد اس اصول پر رکھی ہے۔

استحسان بالمصلحہ کی چند مثالیں

۱۔ کسی شخص کے پاس دوسرے کی کوئی چیز امانت ہو اور وہ غفلت و کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان عائد نہیں ہوتا یہ عام قیاسی حکم ہے لیکن اس عام حکم سے وہ پیشہ ور افراد مستثنیٰ ہیں جو بہت سے لوگوں کے لیے کام کرتے ہیں جیسے دھوبی اور درزی وغیرہ ان کے ہاتھ سے کسی کی کوئی چیز کپڑا وغیرہ تلف ہو جائے تو ان پر تاوان عائد ہو گا کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کی مصلحتوں کا تحفظ ممکن نہیں اس مسئلہ میں مصلحت کی خاطر استحسان سے کام لیا گیا ہے۔

۲۔ عقدِ مزارعت میں عام قاعدہ یہ ہے کہ فریقین یا ان میں سے کسی ایک کی وفات سے مزارعت ختم ہو جائے گی۔ لیکن فقہاء نے اس عام قاعدہ سے اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے جب زمین کا مالک وفات پا جائے اور فصل ابھی پک کر تیار نہ ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں مزارع کی مصلحت اور اس کو پہنچنے والے ممکنہ نقصان کو دور کرنے کی خاطر استحساناً عقد مزارعت کو ختم تصور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ فصل پک جانے تک اس کے استمرار اور جاری رہنے کا فتویٰ دیا جائے گا۔

۳۔ علاج کی خاطر ستر یعنی جسم کے پوشیدہ حصوں کو ظاہر کرنا۔

۴۔ جس شہر میں عادل گواہوں کی کمی ہو وہاں گواہوں میں عدالت کی شرط عائد نہ کرنا۔

۷۔ استحسان مراعاۃ خلاف العلماء (۴۲)

استحسان کی ایک قسم مراعاۃ خلاف العلماء ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جن مسائل میں علماء کی اختلافی آراء پائی جاتی ہیں ان میں

۴۱۔ الموافقات ۴/ ۲۰۷۔ الاعتصام ۲/ ۱۴۱۔ البر دیسی، اصول الفقہ ص ۳۱۷ الوجیز ص ۷۰ ۳۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۵۵۔ علم اصول الفقہ ص ۱۸۲۔ مالک، حیاتہ عصرہ ص ۲۹۷

۴۲۔ الاعتصام ۲/ ۱۴۶

لوگوں کے لیے عمل میں تخفیف اور سہولت کی خاطر کسی بھی رائے کے مطابق فتویٰ دینے کی گنجائش موجود ہے۔ استحسان کی اس قسم کو فقہ مالکی میں ایک دلیل کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کے فقہاء نے بھی اس پر عمل کیا ہے۔ اس میں بعض اوقات اپنی دلیل کو چھوڑ کر مخالف فقہی مذہب کی دلیل کو اختیار کر لیا جاتا ہے کیونکہ واقعہ مذکورہ میں مخالف دلیل مستحسن نظر آتی ہے اور اپنی دلیل پر عمل کرنے سے دقت اور دشواری پیدا ہوتی ہے۔

استحسان مراعاۃ خلاف العلماء کی چند مثالیں

۱۔ مالکی فقہاء نے نکاحِ فاسد کے مسئلہ میں عورت کی میراث اور مہر کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے حنفی فقہ کی رائے کو مدِ نظر رکھا۔ احناف نکاحِ فاسد میں عورت کے حق میراث اور حق مہر کو تسلیم کرتے ہیں جبکہ مالکی فقہ کے مطابق نکاح فاسد سے خاوند بیوی کی وراثت ثابت نہیں ہوتی لیکن فقہائے مالکیہ نے استحساناً حنفی فقہ کے مطابق اس کے جواز کا فتویٰ دیا (۴۳)۔

۲۔ حنفی فقیہ قاضی ابو یوسف نے ایک جمعہ کے روز غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب لوگ نماز پڑھ کر منتشر ہو گئے تو قاضی ابو یوسف کو اطلاع دی گئی کہ جس حمام میں انہوں نے غسل کیا تھا اس کے پانی میں مردہ چوہا پایا گیا ہے انہوں نے یہ سن کر فرمایا: تو پھر ہم اس وقت اپنے مدنی بھائیوں (مالکی فقہاء) کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلہ (پیمانہ کا نام) کی مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں رہتا اس کا حکم ماء کثیر (زیادہ پانی) کا ہو جاتا ہے (۴۴) یہ استحسان مراعاۃ الخلاف کی ایک مثال ہے۔

۴۳۔ المغنی ۶/ ۳۲۷۔ بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۵۔ الموافقات ۴/ ۲۰۲

۴۴۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ص ۱۴۶

استصحاب

لغوی معنی(۴۵)

یہ لفظ مصاحبت سے ماخوذ ہے۔استصحاب کا معنی ہے مصاحبت چاہنا،ساتھ رہنا۔ایک دوسرے سے چمٹے رہنااور جدانہ ہونا۔ باقی رکھنا۔جاری رہنا کسی چیز کا اسی حالت میں باقی رہنا جب تک اس کو تبدیل کرنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے۔

اصطلاحی معنی

علمائے اصول فقہ نے استصحاب کی متعدد تعریفیں کی ہیں(۴۶)۔ان تعریفات کی روشنی میں استصحاب کا معنی ہے ماضی میں کسی چیز کی حالت کو حال کے زمانہ میں جاری رکھنا جب تک کہ اس حالت کو تبدیل کرنے کی کوئی دلیل نہ پائی جائے۔

اگر کسی چیز کا وجود ماضی میں دلیل کے ساتھ ثابت شدہ ہے اور زمانہ حال میں اس کے وجود کی نفی پر کوئی دلیل نہیں ملتی تو پھر اس چیز کو حال میں بھی اسی طرح موجود سمجھا جائے گا جس طرح کہ وہ ماضی میں تھی۔کیونکہ اس چیز کا موجود ہونا پہلے سے ہی ثابت چلا آرہا ہے۔ اگر ماضی میں اس چیز کا عدم وجود دلیل کے ساتھ ثابت ہے اور بعد والے زمانے میں اس کے وجود پر کوئی دلیل نہیں ملتی تو ماضی میں اس چیز کے عدم وجود کا حکم زمانہ حال میں بھی اسی طرح باقی رکھا جائے گا۔

لہذا ہر وہ معاملہ جس کے موجود ہونے کا علم ہو اور جس کے معدوم ہونے پر شک ہو تو اس کے باقی رہنے کا حکم جاری کیا جائے گا۔اسی طرح اگر کسی معاملہ کے غیر موجود ہونے کا یقین ہو اور اس کے وجود میں شک ہو تو اس معاملہ کے معدوم ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔جب تک کہ کوئی مخالف دلیل آکر اس حکم کو تبدیل نہ کردے۔

استصحاب کی وضاحت میں چند مثالیں

۱۔ اگر ایک شخص کسی زمین پر بطور مزارع کام کر رہا ہو اور یہ بات ثابت شدہ ہو تو بعد میں اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ زمین اس کی ملکیت

۴۵۔ البحرالمحیط ۶/ ۱۷۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۸۷۔ ابو زہرہ اصول الفقہ ص ۳۳۸۔ علم اصول الفقہ ص ۹۱۔ شرح المجلہ مادہ: ۵ ص ۲۰۔ کشف الاسرار ۳/ ۲۲۶۔ فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۰۸

۴۶۔ البحرالمحیط ۶/ ۱۷۔ علم اصول الفقہ ص ۹۰۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۸۷ کشف الاسرار ۳/ ۲۲۶۔ شرح مختصر الروضہ ۳/ ۱۴۸۔ ارشاد الفحول ۲/ ۲۴۸۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۲۲۷۔ مالک حیاتہ وعصرہ ص ۳۰۴۔ اثر الاختلاف فی القواعد الاصولیہ ص ۵۴۲۔

ہے تو جب تک وہ ملکیت ثابت نہیں کر تا مزارع ہی سمجھا جائے گا۔

۲۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر کتا خریدے کہ وہ سراغ رسانی یا شکار کی تربیت حاصل کیے ہوئے ہے۔ لیکن بعد میں خریدار یہ دعویٰ کرے کہ اس کتے میں سراغ رسانی یا شکار کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے اور وہ ان کاموں کا تربیت یافتہ نہیں ہے اس کے اس دعویٰ کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو تو خریدار کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا کیونکہ کتے میں اصل یہ ہے کہ وہ پیدائشی طور پر سراغ رسانی یا شکار وغیرہ کی تربیت سے محروم ہوتا ہے یہ کام اسے بعد میں سکھائے جاتے ہیں۔ لہذا یہ ثبوت بائع پر ہوگا کہ کتا سدھایا ہوا ہے۔

حجیتِ استصحاب

استصحاب کے حجیت اور عدم حجیت کے بارے میں علماء اصولِ فقہ کا موقف اور ان کے اہم دلائل ذیل کی سطور میں پیش کیے جاتے ہیں۔

حجیتِ استصحاب کے دلائل (۴۷)

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے ہم فکر دیگر علماء استصحاب کو مطلق حجت قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک استصحاب کا اصول احکام کے اثبات اور نفی دونوں میں اور موجود، معدوم، عقلی اور شرعی تمام امور میں حجت ہے۔ جب تک کہ اسے تبدیل کرنے والی کوئی مخالف دلیل سامنے نہ آجائے۔ لہذا وہ چیز جو دلیل کے ساتھ ثابت ہو پھر اس کے باقی رہنے میں شک پیدا ہو جائے تو اس صورت میں استصحاب پر عمل کرتے ہوئے اس چیز کے باقی رہنے کا حکم دیا جائے گا۔

حنفی فقہاء استصحاب کو حجت تو مانتے ہیں لیکن اس کا دائرہ محدود کر دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں استصحاب نفی اور عذر میں حجت ہے لیکن اثبات اور استحقاق میں حجت نہیں ہے، یعنی یہ اصول کسی کا دعویٰ زائل کرنے میں تو استعمال ہوگا لیکن استقرارِ حق (Es-tablishment of Right) کے لیے دلیل نہیں بن سکتا۔ اس کے ذریعے کسی حق یا حکم کو ثابت نہیں کیا جا سکتا خلاصہ یہ کہ استصحاب حجت تو سب کے نزدیک ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ بقائے حکم کے لیے حجت نہیں ہے دفع حکم کے لیے حجت ہے۔

استصحاب کی حجیت میں علمائے مذاہب اربعہ کے مابین اس اختلاف کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کا اندازہ مفقود الخبر شخص کے احکام سے لگایا جا سکتا ہے۔ مفقود الخبر شخص اسے کہتے ہیں جو اپنے علاقے سے غائب ہو، اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ مل سکے

۴۷۔ شرح مختصر الروضۃ ۳ / ۱۴۸۔ کشف الاسرار ۳ / ۶۶۳۔ مالک ص ۳۰۵۔ البحر المحیط ۶ / ۱۷۔ ارشاد الفحول ۲ / ۲۴۹۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۱۔ حیات ابن تیمیہ ص ۳۲۳۔ اصول الفقہ ص ۳۴۱۔ حاشیہ البنانی ۲ / ۳۴۷۔ اصول الشاشی ص ۱۱۸۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۱۷۲۔ التوضیح ۲ / ۶۳۶۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۳۷۵

کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہی اس کی زندگی یا موت کا کوئی علم ہو۔

مفقود الخبر شخص کا مسئلہ یہ ہے کہ آیا اسے مردہ تصور کر کے اس کا ترکہ ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے یا نہیں نیز اگر اس کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی وفات پا جائے تو کیا مفقود الخبر شخص کو زندہ تصور کر کے متوفی رشتہ دار کے ترکہ میں سے اس کا حصہ نکالا جائے یا اس پر میت کا حکم نافذ کر کے وفات پانے والے رشتہ دار کا ترکہ باقی زندہ ورثاء کے مابین تقسیم کر دیا جائے۔

علمائے احناف نے قرار دیا ہے کہ مفقود الخبر شخص کو اس وقت تک زندہ تصور کیا جائے گا جب تک اس کے مرنے کا ثبوت سامنے نہ آ جائے۔ اس کا مال ورثاء کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا نہ اس کی بیوی کو طلاق ہو گی اور نہ ہی وہ اپنے غائب رہنے کے عرصہ میں فوت ہونے والے کسی رشتہ دار کے ترکہ میں سے حیثیت وارث کوئی حصہ وصول کر سکے گا۔ احناف کے نزدیک مفقود الخبر شخص کی وفات اس کے ترکہ کی تقسیم اور اس کی بیوی کے فسخ نکاح کے دعوؤں کے خلاف استصحاب حجت ہے لیکن اس کی یہ زندگی کسی نئے حق کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی یعنی کسی ایسی چیز کے وجود کے اثبات کی صلاحیت نہیں رکھتی جو اس شخص کے غائب ہوتے وقت اس کے پاس موجود نہیں تھی۔ کیونکہ استصحاب کی رو سے اس کو زندہ قرار دینا اعتباری ہے حقیقی نہیں ہے۔

مالکی فقہاء نے یہ رائے دی ہے کہ مفقود الخبر شخص کے مال کو روک لیا جائے گا جب تک کہ ستر سال گزرنے کے بعد قاضی وقت اس کی موت کا حکم نہ سنا دے۔ جب قاضی اس کی موت کا فیصلہ کر دے تو پھر اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا جبکہ کسی دوسرے فوت شدہ رشتہ دار کے ترکہ میں سے مفقود الخبر شخص کا حصہ بھی روک لیا جائے گا جب تک اس کا زندہ ہونا ظاہر نہ ہو جائے۔

امام شافعیؒ کا موقف یہ ہے کہ مفقود الخبر شخص کو ایک زندہ آدمی مانا جائے گا۔ نہ اس کا ترکہ تقسیم ہو گا نہ بیوی اس سے علیحدہ ہو گی وہ کسی دوسرے کے ترکہ سے حیثیت وارث اپنا حصہ حاصل کرے گا۔ اس لیے کہ مفقود الخبر شخص کی اصل یہ ہے کہ وہ زندہ ہے لہٰذا اس اصل کو باقی و جاری رکھا جائے۔

حنابلہ نے مفقود الخبر شخص کی حالت کو دو صورتوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ حالت جس میں اس کا ہلاک ہونا غالب ہو مثلاً بحری جہاز ٹوٹ جائے اور بعض مسافر غرق ہو جائیں اس حالت میں مفقود الخبر کا چار سال تک انتظار کیا جائے گا۔ چار سال تک اس کے بارے میں کوئی خبر نہ ملے تو اس کا مال ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

دوسری وہ حالت ہے جس میں اس کا ہلاک ہونا غالب نہیں ہے مثلاً وہ تجارت یا حصول علم کے لیے گیا ہو۔ اس صورت میں جب تک اس کی موت کا یقین نہ ہو جائے یا اس کے غائب رہنے پر اتنا عرصہ نہ بیت جائے جس میں کسی شخص کے زندہ رہنے کا امکان کم ہو، اس کا مال ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

حجیت استصحاب کے چند اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

قرآن مجید

۱۔ قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ

فإنّهُ رِجسٌ أو فسقاً أهِلّ لغیرِ اللّٰہ بہ(۴۸)

(اے نبیؐ)ان سے کہو جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو الا یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔

اس آیت میں دلیل موجود نہ ہونے سے استدلال کیا گیا ہے اور یہی استصحاب ہے۔

سنّت

۲۔ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص کی حالت بیان کی گئی جس کو یہ خیال ہو جاتا کہ نماز میں اس کی ریح خارج ہو گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''**لا ینفتل أولا ینصرف حتی یسمع صوتا أو یجد ریحا**''(۴۹)

وہ نماز اس وقت نہ توڑے جب تک کہ آواز نہ سن لے یا بو نہ پا لے۔

اس حدیث میں ایسے شخص کا وضو صحیح ہونے کا حکم دیا گیا ہے جسے اپنے وضو کے باقی رہنے کا یقین ہے اور اس کے ٹوٹ جانے میں شک ہے۔ شک دلیل نہیں بن سکتا۔ لہٰذا وضو اپنی اصل پر قائم رہا۔

اجماع

۳۔ اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر انسان کو طہارت کی ابتداء میں ہی شک ہو تو پھر اس کی نماز جائز نہیں ہو گی۔ لیکن اگر اسے طہارت کے آغاز میں شک نہیں ہے بلکہ اس کے باقی اور جاری رہنے میں شک ہے تو اس کی نماز جائز ہو گی۔ اس اجماع کی بنیاد استصحاب پر ہے۔ آغاز نماز کا حکم یعنی طہارت کو جاری رکھا گیا ہے۔

عقل

۴۔ جو شرعی احکام عہد نبویؐ میں ثابت تھے وہ ہمارے حق میں بھی ثابت ہیں اور ہم ان احکام کے مکلف و پابند ہیں۔ اس کی دلیل استصحاب ہے۔ اگر استصحاب حجت نہ ہوتا تو یہ احکام ہم پر لازم نہ ہوتے۔

۵۔ بقاء اور استمرار کو عدم پر ترجیح حاصل ہے اور اس پر عمل کرنا متفقہ طور پر واجب ہے۔ کیونکہ ایک پہلے سے موجود چیز کے معدوم ہونے کے لیے کسی نئے سبب کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کا کسی پر انحصار نہ ہو وہ اس چیز کے مقابلے میں راجح ہوتی ہے جو کسی پر منحصر ہو۔

۶۔ ماضی میں ثابت یا معدوم چیز کو ظن اور گمان کی بنا پر اس وقت تک جاری و باقی رکھا جاتا ہے جب تک اس کے برعکس کوئی دلیل نہ آ

۴۸۔ الانعام: ۱۴۵

۴۹۔ صحیح بخاری کتاب الوضوا / ۱۴۴

جائے اور شرعی احکام میں ظن غالب پر عمل کیا جاتا ہے۔

۲۔ استصحاب کا اصول بعثت کے لوازمات میں سے ہے انبیاء کرام کی بعثت برحق ہے لہذا اس کے لوازمات بھی برحق ہیں۔ استصحاب بعثت کے لوازمات میں سے اس طرح ہے کہ رسالت و نبوت کے ثبوت میں معجزات کا ظہور لازمی ہے اور معجزہ ایک خارقِ عادات (Unusual) واقعہ ہوتا ہے جبکہ عادت کسی چیز کے تسلسل کے ساتھ یا وقفہ وقفہ سے ہمیشہ وقوع پذیر ہونا ہے۔ جیسے سورج کا روزانہ مشرق سے طلوع ہونا اور مغرب میں روزانہ غروب ہونا۔

اگر کوئی نبی یہ کہے کہ میری نبوت کی یہ دلیل ہے کہ آج سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو گا اور ویسا ہی ہو جائے تو یہ خارقِ عادات واقعہ اور معجزہ اس نبی کی صداقت کی دلیل ہو گا۔ اگر استصحاب کو حجت قرار نہ دیا جائے تو پھر انبیاء کے معجزات بھی حجت شمار نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ماضی کی عادت کو حال میں جاری نہ سمجھا جائے تو اس عادت کے خلاف واقعہ کو نبی کا معجزہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ معجزہ رونما ہونے کے بعد پھر اسی ماضی کی عادت کو اپنی اصل پر باقی اور جاری سمجھنا ہی درمیان کے اس خلاف عادت واقعہ کو نبی کا اعجاز ثابت کرتا ہے۔ پس جب ہم نے معجزات کو انبیاء کے لیے دلیل قرار دیا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ استصحاب حجت ہے۔

انکار استصحاب کے دلائل(۵۰)

جو حضرات استصحاب کو ایک مطلق دلیل شرعی تسلیم نہیں کرتے اور بقاء حکم کے لیے اسے حجت نہیں مانتے ان کے چند اہم دلائل یہ ہیں۔

۱۔ جس طرح کسی چیز کو پہلے زمانے میں ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح بعد والے زمانے میں بھی اس کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی احتیاج ہوتی ہے۔ صرف ابتداء میں کسی چیز کا ثابت ہونا اس کے باقی و جاری رہنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا موجود ہونا اور اس کا باقی و جاری رہنا، مختلف چیزیں ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ماضی میں ہونے والا کوئی معاملہ بعد میں نہ ہو ہر وہ کام جو بغیر دلیل کے ہو قابلِ رد ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ استصحاب کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے بالذات دلیل نہیں ہے۔

۲۔ شرعی احکام کسی ایسی دلیل سے ہی ثابت ہوں گے جو قرآن یا سنت کی کسی نص، اجماع یا قیاس سے ماخوذ ہو۔ استصحاب ان ادلہ شرعیہ میں شامل نہیں ہے۔ لہذا شرعی امور میں اس سے احکام کا استنباط کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ اگر ہم استصحاب کو حجت مان لیں تو اس طرح متعارض دلائل کے ذریعہ احکام ثابت کرنے کا راستہ کھل جائے گا۔

قائلین استصحاب اور اس کے منکرین کی آراء و دلائل کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ استصحاب کوئی مستقل

۵۰۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۲۷ا۔ البحر المحیط ۲ / ۷ا۔ اصول الفقہ الاسلامی ص ۲۲۱۔ شرح مختصر الروضۃ ۳ / ۱۴۸۔ ارشاد الفحول ۲ / ۲۴۹

دلیل اور مصدر نہیں ہے۔ اصولِ فقہ میں اسے کمزور دلیل کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے اور یہ اس وقت کام آتی ہے جب انتہائی کوشش اور جستجو کے باوجود دلائل شرعیہ یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے کوئی مدد نہ ملے۔ دیگر دلائل کی موجودگی میں براہ راست استصحاب پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ **استصحاب** کو فتویٰ و حکم کے لیے آخری مدار کے طور پر لیا جائے گا۔ ہاں **استصحاب** ایک واقعاتی دلیل ہے۔ اور اس کا قانون اور شریعت کے مقابلے میں ضابطہ کار سے زیادہ تعلق ہے۔

استصحاب کی اقسام

ا۔ استصحاب اباحت(۵۱)

اس کا مطلب ہے مباح ہونے کی اصل کو باقی رکھنا۔ وہ تمام چیزیں جو نفع بخش ہیں اور شریعت نے ان کے حرام ہونے پر کوئی واضح اور معین حکم نہیں دیا ایسی چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ جب تک کوئی دلیل ایسی چیزوں کی اصل کو تبدیل کرنے والی موجود نہ ہو تو **استصحاب** کی رو سے ان کے مباح ہونے کا حکم ہوگا۔ یہ چیزیں خواہ حیوانات میں سے ہوں یا نباتات میں سے یا جمادات میں سے ہوں۔ ایسی چیزوں میں منفعت پائی جانی چاہیے اس لیے کہ شریعت نے جن چیزوں کو انسانوں کے لیے حرام قرار دیا ہے وہ کسی نقصان کی وجہ سے حرام ہیں۔

قرآن مجید کی کئی آیات اس اصول کی تائید کرتی ہیں۔

مثلاً۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (۵۲)

وہی (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (۵۳)

اور اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۵۴)

(اے نبیؐ) ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں۔

۵۱۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۸۸۔ اصول الفقہ الاسلامی ص ۲۱۸ علم اصول الفقہ ص ۹۱

۵۲۔ البقرۃ: ۲۹

۵۳۔ الجاثیۃ: ۱۳

۵۴۔ الاعراف: ۳۲

مندرجہ بالا آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے۔ اگر کائنات میں تخلیق کردہ چیزوں میں اصل اباحت نہ ہوتی تو پھر انسانوں کے لیے ان کی تسخیر کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن اعظم المسلمين فى المسلمين جرما من سأل عن امر لم يحرم فحرم على الناس من مسألته (۵۵)

سب مسلمانوں میں زیادہ بڑا گناہ گار مسلمان وہ ہے جس نے وہ بات پوچھی جو حرام نہ تھی پھر اس کے پوچھنے کے سبب سے وہ لوگوں پر حرام ہو گئی۔

۲۔ استصحاب براءت اصلیہ (۵۶)

اس کا معنی ہے بری الذمہ ہونے کی اصلیت کو برقرار رکھنا۔ اصل یہ ہے کہ کسی انسان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور وہ ہر قسم کے واجبات کی ادائیگی سے بری الذمہ ہے جب تک کہ کوئی ایسی شرعی دلیل موجود نہ ہو جو اس کی ذمہ داری کو ثابت کرے۔ اگر کسی حکم کے بارے میں کوئی نص وارد ہوئی ہو تو انسان اس حکم کا صرف اسی حد تک پابند ہے جتنا شریعت نے اسے مکلّف بنایا ہے۔ **"البراءة الاصلية"** کو **"العدم الاصلی"** بھی کہتے ہیں۔

استصحاب براءت اصلیہ کی چند مثالیں

۱۔ مدعی علیہ کے قول کو تسلیم کیا جائے گا کیونکہ اس کا قول قاعدہ براءتِ اصلیہ کے مطابق ہے اور مدعی کو اپنے دعویٰ کے حق میں ثبوت فراہم کرنا ہوگا کیونکہ اس کا قول اصول براءت کی مخالفت کرتا ہے۔

۲۔ اگر کسی کمپنی کے حصہ داروں میں سے ایک یہ دعویٰ کرے کہ اصل زر سے کوئی منافع نہیں ہوا تو استصحاب کی رو سے اس حصہ دار کے دعویٰ کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ اصل منافع کا نہ ہونا ہے۔ لیکن اگر کمپنی کے دوسرے حصہ دار منافع ہونے کے ثبوت میں شہادتیں فراہم کر دیں تو پھر ان کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور منافع کا انکار کرنے والے کی بات نہیں مانی جائے گی کوئی چیز اسی وقت تک ویسی ہی تسلیم کی جائے گی جیسی کہ تھی جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو جائے۔

براءت اصلیہ کا قاعدہ شرعی احکام مثلاً عبادات وغیرہ میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ احکام شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ ہر شخص ان کو ادا کرنے کا مکلّف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ذریتِ آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے نکالا تو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ان

۵۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ ۳ / ۴۶۰

۵۶۔ البحر المحیط ۶ / ۲۰۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۸۹۔ مالک ص ۳۰۶۔ اصول الفقہ الاسلامی ص ۲۱۹۔ اصول الامام احمد حنبل ص ۳۷۳، ۳۸۱۔ شرح مختصر الروضۃ ص ۱۵۸۔ حاشیہ البنانی ص ۳۴۸۔ شرح المجلہ مادہ: ۸ ص ۲۵ التمہید فی اصول الفقہ ۴ / ۲۵۱۔ الاشباہ والنظائر ۱ / ۸۹

سب نے سجدہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے میثاق اور وعدہ لیا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کی طرف اپنے انبیاء اور رسل بھیجے گا جو انہیں توحید اور عبادات کی ادائیگی کا حکم دیں گے تو وہ ان کی اطاعت کریں گے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلَى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ (۵۷)

اور اے نبیؐ لوگوں کو یاد کراو وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔

لہٰذا اس میثاق کے دن سے ہر شخص عقیدہ توحید اور اس کے احکام کی ادائیگی کا مکلف ہے اور یہ تکلیف صرف اس عرصہ تک کے لیے عدم اہلیت کی بناء پر منقطع ہوتی ہے جو میثاق والے دن سے لے کر بالغ ہونے کی عمر کے درمیان ہے۔

۳۔ استصحاب وصف (۵۸)

یعنی ایسے وصف سے متعلق استصحاب جو کسی شرعی حکم کو ثابت کرے۔ اس حکم کو حال میں بھی برقرار رکھا جائے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے اور اس وصف کی کیفیت کی زمانہ حال میں تبدیلی ثابت نہ ہو جائے۔

استصحاب وصف کی چند مثالیں

۱۔ کوئی چیز اس وقت تک کسی شخص کی ملکیت میں ہی سمجھی جائے گی جب تک کہ بیع یا ہبہ وغیرہ نہ پائے جائیں جو اس چیز کے اس شخص کی ملکیت سے نکلنے کا ثبوت ہوں۔

۲۔ نکاح ثابت ہو جانے کے بعد منکوحہ عورت اپنے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال ہے جب تک ان کے درمیان تفریق لازم کرنے والی کوئی دلیل نہ پائی جائے۔

۳۔ وضو کرنے کے بعد وضو باقی رہے گا۔ ثابت شدہ طہارت کی صحت پر شک اثر انداز نہیں ہوگا۔

۴۔ استصحاب حکم عام (۵۹)

اس سے مراد ہے کسی چیز کے حکم عام کو اس وقت تک برقرار رکھنا جب تک اس کو خاص کرنے کی دلیل ظاہر نہ ہو۔ وجہ تخصیص

۵۷۔ الاعراف: ۱۷۲

۵۸۔ مالک ص ۳۰۳۔ اصول الفقہ ص ۳۴۰۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰۔ التمہید فی اصول الفقہ ص ۲۵۱۔ البحر المحیط ۶ / ۱۶۔ کشف الاسرار ۳ / ۲۲۴۔ شرح مختصر الروضۃ ۳ / ۱۵۵۔ ارشاد الفحول ۲ / ۲۵۱ حاشیہ البنانی ۲ / ۳۴۸۔ روضۃ الناظر ۲ / ۵۰۸

۵۹۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰۔ شرح مختصر الروضۃ ۳ / ۱۱۵۔ روضۃ الناظر ۲ / ۵۰۸۔ فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۰۹

کی غیر موجودگی میں کسی چیز کے حکم کی عمومیت کو باقی رکھا جائے گا اور عام حکم میں بغیر کسی دلیل کے استثناء نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ استصحاب حکم نص(۶۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ نص شرعی سے ماخوذ حکم کو اس وقت تک جاری سمجھا جائے گا جب تک کوئی دوسری نص اس حکم کا منسوخ ہونا ثابت نہ کر دے۔

۶۔ استصحاب حکم اِجماع(۶۱)

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کے موقع پر اجماع سے ثابت حکم کو باقی رکھا جائے۔

اگر کسی مسئلہ کے حکم پر اجماع منعقد ہو۔ بعد ازاں اس متفقہ حکم کی کسی صفت میں تبدیلی واقع ہو جائے جس کی بنا پر فقہاء کے اس مسئلہ کے حکم میں آراء کا اختلاف پیدا ہو تو اس اختلاف کے بعد والی صورت میں اجماع سے ثابت پہلے والے حکم کو ہی استصحاباً جاری رکھا جائے گا جب تک کہ اجماع سے ثابت حکم کو زائل کرنے والی کوئی دلیل سامنے نہ آجائے۔

استصحاب حکم اِجماع کی مثال

پانی نہ ملنے پر تیمم کر کے نماز پڑھنے والا شخص اگر دوران نماز پانی کو دیکھ لے تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی۔ کیونکہ پانی کی عدم دستیابی کی حالت میں تیمم کی نماز صحیح ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے۔ چنانچہ اگر متیمم پانی ملنے سے قبل اپنی نماز مکمل کر لیتا ہے تو سب فقہاء کے نزدیک اس کی نماز درست ہو گی اور وہ اپنی نماز نہیں دہرائے گا۔

لیکن اگر متیمم دوران نماز پانی دیکھ لے تو کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور کیا وہ وضو کر کے دوبارہ نماز ادا کرے یا اس کی نماز درست ہو گی وہ اسی حالت میں اپنی نماز کو جاری رکھے اور مکمل کر لے ؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء یہ ہیں :

امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک متیمم کی نماز باطل ہو جائے گی اور وہ وضو کر کے نماز دوبارہ ادا کرے گا۔ اور اس صورت میں پانی کو دیکھنے سے پہلے کی حالت میں تیمم کی نماز صحیح ہونے پر اجماع کے حکم کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ دوران نماز پانی دیکھ لینے کی صورت میں متیمم کی نماز باطل نہیں ہو گی لہذا وہ اسی حالت میں نماز مکمل کرے کیونکہ پانی دیکھنے سے قبل کی حالت میں متیمم کی نماز کی صحت پر اجماع ثابت ہے۔ لہذا اختلاف فقہاء کی موجودہ صورت میں

۶۰۔ البحر المحیط ۶ / ۲۱۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰۔ فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۰۹۔ ارشاد الفحول ۲ / ۲۵۱۔ التمہید فی اصول الفقہ ۴ / ۲۵۱

۶۱۔ اعلام الموقعین ۱ / ۳۴۱۔ البحر المحیط ۶ / ۲۱۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل ص ۳۷۸۔ التمہید فی اصول الفقہ ص ۲۵۱۔ روضۃ الناظر ۲ / ۵۰۹۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۱۸۵۔ ارشاد الفحول ۲ / ۲۵۱۔ شرح مختصر الروضۃ ۳ / ۱۵۵۔ المستصفی ۱ / ۲۲۴

استصحاب پر عمل کرتے ہوئے اجماع سے ثابت پہلے والے حکم کو ہی بعد والی حالت میں جاری رکھا جائے گا۔

استصحاب حکم اجماع کی حجیت

کسی مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کی صورت میں اجماع سے ثابت حکم کا استصحاب حجت ہے یا نہیں اس بارے میں علمائے اصولِ فقہ کے دو گروہ ہیں :

۱۔ منکرین : استصحاب کی اس قسم کی حجیت کا انکار کرنے والوں میں جو شامل ہیں ان کے نام یہ ہیں : اصحاب ابو حنیفہؒ، جمہور مالکیہ، اصحاب شافعیؒ، حنابلہ، طوفیؒ، ابن سمعانیؒ، زرکشیؒ، ابن صباغؒ، ابو اسحاق شیرازیؒ، ابن زاغوانیؒ، حلوانیؒ، ابن عقیلؒ، ابو حامد ابو طیب طبریؒ، ابن قدامہؒ اور غزالیؒ وغیرہ۔

ان کی رائے یہ ہے کہ ایسا استصحاب حجت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک صفت کی تبدیلی سے قبل والی حالت میں جو اجماع منعقد ہوا تھا وہ حجت ہے بشر طیکہ اس کی صفت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو لیکن جب صفت تبدیل ہو گئی تو پھر اس حالت میں استصحاب حجت نہیں ہو گا۔ اجماع جس حکم کی دلیل بنا تھا وہ اختلاف رائے واقع ہو جانے سے زائل ہو گیا لہذا اب نئے حکم کے لیے نئی دلیل کو تلاش کیا جائے گا۔ اگر پہلے والا حکم لگایا گیا تو یہ حکم بغیر دلیل کے ہو گا۔

کسی مسئلہ میں اجماع منعقد ہونے کے بعد اس میں پیدا ہونے والا اختلاف اجماع کی ضد ہے۔ دو متضاد حکم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لہذا اختلاف کی صورت میں اجماع سے تمسک (Attachment) درست نہیں ہے۔

۲۔ قائلین : استصحاب کی زیر بحث قسم کو حجت قرار دینے والے اصولیین کے نام یہ ہیں۔ مزنیؒ، صیرفیؒ، ابو اسحاق بن شاقلاؒ، ابن حامدؒ، رازیؒ، ابن قیمؒ، شوکانیؒ، ابن سریجؒ، ابن خیرانؒ، ابن قطانؒ، ابن حاجبؒ، ابو ثورؒ، داودؒ اور آمدیؒ وغیرہ۔

ان علمائے اصول فقہ کی آراء اور ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے :

اصل یہ ہے کہ جس حکم پر اجماع ہوا ہے اسے اسی حالت پر باقی رکھا جائے جب تک کہ اس کو زائل کرنے والی چیز ثابت نہ ہو اور اجماع اس مجمع علیہ حکم کی علت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا سبب ہے کہ علت یا سبب کے زائل ہونے سے اجماع کا حکم بھی زائل ہو جائے۔ بلکہ اجماع اس حکم کا ثبوت اور دلیل ہے۔ (علت : جس سے حکم ثابت ہو مثلاً سفر روزہ چھوڑنے کی علت ہے۔ سبب : جو حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہو مثلاً جنون معاملات اور تصرفات کی ممانعت کا سبب ہے۔ ہر علت سبب ہے لیکن ہر سبب علت نہیں ہے)(۶۲)۔

قائلین کہتے ہیں کہ وہ نزاع واختلاف کی جگہ پر اجماع کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ مجمع علیہ کی حالت کو ہی اس وقت تک جاری رکھتے

۶۲۔ اصول الشاشی ص ۱۰۷، الوجیز فی اصول الفقہ ص ۵۷

...جب تک اس کو زائل کرنے والی چیز ثابت نہ ہو جائے۔

۷۔ استصحاب مقلوب(۶۳)

استصحاب مقلوب یا استصحاب معکوس کا لفظی مطلب ہے الٹا استصحاب ۔اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود یا عدم وجود کی حالت موجودہ زمانے میں ثابت ہو جائے تو زمانہ حال میں اس حالت کے ثبوت کو زمانہ ماضی میں بھی اس چیز کی ویسی ہی حالت کی دلیل بنا دیا جائے۔اسے استصحاب الحاضر فی الماضی بھی کہتے ہیں استصحاب مقلوب کو ترجیحی دلیل قرار نہیں دیا گیا ہے۔

استصحاب مقلوب کی چند مثالیں

۱۔ اگر کسی نصرانی (مسیحی) کی وفات کے بعد اس کی مسلمان بیوی یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد مسلمان ہوئی تھی تاکہ وہ یہ کہہ کر اپنے شوہر کی جائیداد کی وارث بن سکے۔لیکن متوفی کے دیگر ورثاء یہ کہیں کہ وہ اپنے شوہر کی موت سے پہلے مسلمان ہو گئی تھی تو اس صورت میں ورثاء کا قول معتبر ہو گا اور بیوی کے قول کو تسلیم نہیں کیا جائے۔اس لیے کہ بیوی کا اپنے شوہر کی میراث سے محرومی کا سبب زمانہ حاضر میں ثابت ہے لہذا اسی کو ماضی کے زمانہ کے لیے بھی دلیل بنایا جائے گا اور حال کے مطابق ماضی کا حکم ہو گا۔

۲۔ یہ سوال کہ اسلم گزشتہ کل کسی جگہ پر موجود تھا یا نہیں ؟اور وہ شخص آج اس جگہ پر پایا جاتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ ہاں اسلم گزشتہ کل اس جگہ پر موجود تھا۔اسلم کا آج اس جگہ پر موجود ہونا ثابت ہو گیا تو گزشتہ کل کے لیے بھی اسلم کی موجودگی کا ثبوت بر قرار رہا۔

استصحاب سے ماخوذ بعض اہم قواعد فقہیہ

فقہاء نے کئی قواعد فقہیہ (Legal Maxims) کی بنیاد استصحاب پر رکھی ہے جن میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **اَلْاَصْلُ بَقاءُ مَا کَانَ عَلٰی مَا کَانَ (۶۴)**

جو جیسا تھا اسے ویسا ہی تسلیم کیا جائے۔

مثلاً مفقود الخبر شخص کو زندہ تسلیم کیا جائے جب تک کہ اس کے فوت ہونے کا ثبوت نہ ملے۔

۶۳۔ البحر المحیط ۶ / ۲۵۔حاشیہ البنانی ۲ / ۳۵۰۔فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۱۱

۶۴۔ شرح المجلہ ،مادہ : ۵ص ۲۰۔الاشباہ والنظائر ۱ / ۸۷۔الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰

۲۔ **اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ (۶۵)**

یقین کو کسی شک کے ذریعے زائل نہیں کیا جاسکتا۔

مثلاً اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں سحری کھائے۔ اسے فجر کے طلوع ہونے میں شک ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ اس نے طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھایا ہے یا اس سے پہلے کھایا ہے۔ اس کا روزہ درست ہو گا اور اس پر اس دن کے روزے کی قضاء واجب نہیں ہو گی۔ کیونکہ کھانا کھاتے وقت رات کا ہونا یقینی امر تھا اور فجر کے طلوع ہونے میں شک تھا۔ لہذا یقین والی چیز پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ یقین کسی شک کے ذریعے زائل نہیں ہوتا۔

۳۔ **اَلْاَصْلُ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ (۶۶)**

اصول یہ ہے کہ ذمہ داری سے (انسان کو) بری تصور کیا جائے۔

لہذا ملزم اس وقت تک الزام سے بری سمجھا جائے گا جب تک کہ اس پر الزام ثابت نہ ہو جائے۔

۴۔ **اَلْاَصْلُ فِى الْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ (۶۷)**

اصول یہ ہے کہ تمام چیزیں مباح (جائز) ہیں۔

لہذا ہر قسم کا معاملہ اور تصرف صحیح ہے جب تک کہ شریعت سے اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ملے۔

البتہ گوشت اور عورت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر کسی گوشت کے بارے میں یقین نہ ہو کہ وہ ذبیحہ ہے تو ایسے گوشت کی اصل یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔

اسی طرح عورتوں کے ساتھ نکاح کے معاملہ کی اصل یہ ہے کہ وہ حرام ہیں ماسوائے اس عورت کے جس سے نکاح کرنا جائز ہو اور اس سے نکاح کر لیا جائے۔

استصحاب کوئی مستقل دلیل نہیں ہے بلکہ دلائل سے استنباط احکام کا ایک طریقہ ہے۔ اسی لیے اکثر علماء اصول فقہ نے استصحاب کو استدلال کی انواع میں سے ایک نوع قرار دیا ہے (۶۸)۔

۶۵۔ اصول الفقہ ص ۲۴۳۔ اصول الفقہ الاسلامی ص ۲۲۰۔ شرح المجلہ مادہ ۴ ص ۱۸۔ الاشباہ والنظائر ۱/۸۴۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰

۶۶۔ الاشباہ والنظائر ۱/۸۹۔ شرح المجلہ مادہ: ۸ ص ۲۸۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰۔ اصول الفقہ الاسلامی ص ۲۲۰۔

۶۷۔ الاشباہ والنظائر ۱/۹۷۔ الیسر فی اصول الفقہ ص ۱۹۰۔ شرح المجلہ مادہ: ۶ ص ۲۳

۶۸۔ شرح مختصر الروضہ ۳۰/۱۵۸۔ علم اصول الفقہ ص ۹۲۔ اصول مذہب الامام احمد حنبل ص ۳۸۵

استدلال

لغوی معنی

لغوی طور پر استدلال کا معنی ہے 'طلبِ دلیل'، یعنی دلیل چاہنا اور تلاش کرنا (۶۹)۔

اصطلاحی معنی

استدلال کا معنی ہے: ایک یا چند معلوم شدہ باتوں کے ذریعے ایسی بات اور نتیجہ معلوم کرنا جو پہلے سے معلوم نہیں (۷۰)۔

لیکن علم اصولِ فقہ میں استدلال ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو نہ تو قرآن یا سنت کی کوئی نص ہو اور نہ ہی وہ دلیل اجماع یا قیاس سے عبارت ہو۔ (۷۱)

استدلال فقہ اسلامی کا ایک ایسا ماخذ ہے جس کا تعلق کسی ایک طریقہ استنباط سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ایک چیز سے دوسری چیز کا استنباط کرنے کے لیے جتنے بھی طریقے اختیار کیے گئے ہیں، وہ سب استدلال میں داخل ہیں۔ استدلال میں ایک یا ایک سے زیادہ باتوں کے مطالعہ و مشاہدہ سے ایسا نتیجہ اختیار کیا جاتا ہے جو پہلے سے معلوم نہ ہو۔ اگر پہلے سے معلوم شدہ بات ہی نتیجہ میں دہرا دی گئی تو اسے استدلال کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

استدلال کے طریقے

۱۔ **استدلال کا پہلا طریقہ (۷۲):** استدلال کا ایک طریقہ یہ ہے کہ نتیجہ اور حکم حاصل کرنے کے لیے عموماً دو قضیے (Propositions) پیش کیے جاتے ہیں جن سے نتیجہ اور حکم اخذ کیا جاتا ہے۔ ان دونوں قضیوں کو اس طرح سے ترتیب دیا جاتا ہے کہ

۶۹۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴/ ۱۶۱، ارشاد الفحول ۲/ ۳۴۵، فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۰۷، حاشیہ البنانی ۲/ ۳۴۲

۷۰۔ تفہیم المنطق، ص ۲۷۱

۷۱۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴/ ۱۶۱، ارشاد الفحول ۲/ ۳۴۵، فلسفہ شریعت اسلام ص ۲۰۷، حاشیہ البنانی ۲/ ۳۴۲

۷۲۔ تفہیم المنطق ص ۲۱۳

پہلے قضیہ میں موضوع مخصوص ہوتا ہے اور دوسرے قضیہ میں عمومی بات کہی جاتی ہے جس کا اطلاق زیادہ تعداد کے افراد پر ہوتا ہے۔

مثلاً (۱) پہلا قضیہ یہ ہے : قرآن مجید آسمانی کتاب ہے۔

دوسرا قضیہ : ہر آسمانی کتاب مقدس ہوتی ہے۔

ان دونوں قضیوں کے مطالعہ و مشاہدہ سے یہ نتیجہ اور حکم بر آمد ہوتا ہے :

قرآن مجید مقدس کتاب ہے۔

(۲) پہلا قضیہ : جسم مرکب ہوتا ہے۔

دوسرا قضیہ : ہر مرکب حادث ہے۔

نتیجہ : جسم حادث ہے۔

۲۔ استدلال کا دوسرا طریقہ : قضایا کے درمیان تقابل (۷۳)

استدلال کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قضایا (Propositions) کے درمیان تقابل کیا جاتا ہے۔ اگر ایک قضیہ موجبہ (مثبت) (Positive) ہے تو اس کے بالمقابل دوسرا قضیہ بنایا جائے گا وہ سالبہ (Negative) (منفی) ہوگا۔ اور اگر ایک قضیہ سالبہ ہے تو اس کا بالمقابل قضیہ موجبہ ہوگا۔ اسی طرح قضیہ کلیہ (Absolute) کا تقابل قضیہ جزئیہ (Partial) سے ہوگا۔ اور قضیہ جزئیہ کے بالمقابل قضیہ کلیہ ہوگا۔

مثلاً (۱) قضیہ موجبہ : ابلیس ایک واقعی مخلوق ہے۔

قضیہ سالبہ : ابلیس ایک واقعی مخلوق نہیں ہے۔

اب ان دنوں قضیوں میں اگر پہلی بات سچی ہے تو دوسرا قضیہ غلط اور جھوٹ ہے اور اگر دوسرا قضیہ سچا ہے تو پہلا قضیہ جھوٹ ہوگا۔

(۲) قضیہ کلیہ موجبۃ : ہر وضو عبادت ہے۔

قضیہ کلیہ سالبہ : کوئی بھی عبادت بلانیت صحیح نہیں ہے۔

نتیجہ : کوئی وضو نیت کے بغیر صحیح نہیں ہے۔

(۳) قضیہ جزئیہ موجبہ : کچھ وضو عبادت ہیں۔

قضیہ کلیہ موجبۃ : ہر عبادت کے لیے نیت ضروری ہے۔

نتیجہ : بعض وضو کے لیے نیت ضروری ہے۔

(۴) قضیہ جزئیہ موجبہ : بعض وضو عبادت ہیں۔

۷۳۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴ / ۱۶۵

قضیہ کلیہ سالبہ : کوئی بھی عبادت بدون نیت صحیح نہیں ہے۔

نتیجہ : بعض وضو بلا نیت صحیح نہیں ہیں۔

تقابل کی اقسام

قضایا کے درمیان تقابل کی تین اقسام ہیں :

۱۔ قضایا میں تناقض (Contradiction)

۲۔ قضایا میں تضاد (Contrast)

۳۔ قضایا میں تداخل (Intervention)

۱۔ قضایا میں تناقض : اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک قضیہ دوسرے قضیہ کے سچ ہونے کا احتمال ختم کر دے۔ ان دونوں میں سے ایک کا جھوٹا ہونا قطعی ہو۔ اگر دونوں قضیے بیک وقت سچ یا دونوں ہی جھوٹ ہوں تو پھر ان دونوں کے درمیان تناقض نہیں ہوگا۔

(i) مثلاً قضیہ کلیہ موجبہ ہے : ہر حیوان انسان ہے۔ اگر یہ قضیہ غلط ہے تو پھر اس کا نقیض قضیہ جزئیہ سالبہ ہوگا جو یہ ہے :

:بعض حیوان انسان نہیں ہیں۔

(ii) قضیہ کلیہ سالبہ : حیوانوں میں سے کوئی بھی انسان نہیں ہے۔

قضیہ جزئیہ موجبہ :بعض حیوان انسان ہیں۔ یہ قضیہ درست ہے۔ قضیہ کلیہ موجبہ کے نقیض قضیہ جزئیہ سالبہ ہوتا ہے اور قضیہ جزئیہ سالبہ کے نقیض قضیہ کلیہ موجبہ ہوتا ہے دونوں بیک وقت سچے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی دونوں بیک وقت جھوٹے ہو سکتے ہیں مثلاً :

ا۔ اقبال حکیم تھے

ب۔ اقبال حکیم نہیں تھے

ان دونوں میں تناقض نہیں پایا جاتا کیونکہ قضیہ "ا" میں حکیم سے مراد حکمت و دانائی والا شخص ہے۔ اور قضیہ "ب" میں حکیم سے مراد طبیب اور ڈاکٹر ہے۔ دونوں قضیے مختلف المعنی ہیں اس لیے ان میں تناقض نہیں ہے۔

۲۔ قضایا میں تضاد : اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو متقابل قضیوں میں سے ایک دوسرے کو قطعی طور پر جھٹلا رہا ہو۔ لیکن ان دونوں قضیوں میں سے ایک کا جھوٹا ہونا دوسرے قضیے کے سچ ہونے کا تقاضا نہ کرتا ہو۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں قضیے باطل ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک قضیے کا حکم دوسرے قضیے کے حکم کو مکمل طور پر جھوٹا نہ کرتا ہو بلکہ اس کے بعض افراد کو باطل کرتا ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ اسلم اکرم سے بڑا نہیں ہے تو یہ لازمی نہیں ہے کہ اسلم اکرم سے چھوٹا ہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلم اکرم سے عمر میں برابر ہو۔

قضایا میں تضاد کی مثالیں :۔

۱۔ کلیہ موجبہ: تمام انسان حیوان ہیں (سچ) — کلیہ سالبہ: تمام انسان حیوان نہیں ہیں (باطل)
۲۔ کلیہ سالبہ: تمام حیوان انسان نہیں ہیں (سچ) — کلیہ موجبہ: تمام حیوان انسان ہیں (باطل)
۳۔ کلیہ موجبہ: تمام شاعر جھوٹے ہیں (باطل) — کلیہ سالبہ: تمام شاعر جھوٹے نہیں ہیں (باطل)
۴۔ کلیہ سالبہ: رنگوں میں سے کوئی رنگ بھی سیاہ نہیں ہے (باطل) کلیہ موجبہ: تمام رنگ سیاہ ہیں۔ (باطل)

مندرجہ بالا چاروں مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر ایک قضیہ حقیقت کے مطابق ہے تو دوسرا قضیہ باطل ہے لیکن ایک قضیہ کے باطل ہونے سے دوسرے قضیہ کا سچ ہونا لازمی نہیں ہے۔

۳۔ قضایا میں تداخل: اس سے مراد یہ ہے کہ اگر دو قضایا میں ایک قضیہ کلیہ صحیح ہے تو اس کے مقابل کا جزئیہ بھی صحیح ہے کیونکہ جزئیہ اس کلیہ کے تابع ہے' اور اگر ایک جزئیہ غلط ہے تو پھر اس کے مقابل کا کلیہ بھی غلط ہو گا۔ اس لیے کہ اگر "بعض" درست نہیں ہے تو پھر "کل" بھی درست نہیں ہو گا۔ لیکن اگر جزئیہ سچ ہے تو ضروری نہیں کہ کلیہ بھی سچ ہو وہ کبھی جھوٹ ہو گا اور کبھی سچ ہو گا جیسے ذیل کی مثال نمبر ۷ اور نمبر ۸ میں ہے۔ اگر کلیہ جھوٹ ہے تو جزئیہ کا جھوٹ ہونا ضروری نہیں کبھی جھوٹ ہو گا اور کبھی سچ ہو گا۔ جیسے ذیل میں مثال نمبر ۵ اور نمبر ۶ میں ہے۔

مثالیں

۱۔ کلیہ موجبہ: تمام انسان حیوان ہیں (صحیح) — جزئیہ موجبہ: کچھ انسان حیوان ہیں (صحیح)
۲۔ کلیہ موجبہ: تمام حیوان انسان ہیں (غلط) — جزئیہ موجبہ: کچھ حیوان انسان ہیں (صحیح)
۳۔ کلیہ موجبہ: ہر پودا اپنی مرضی سے حرکت کرتا ہے (غلط) — جزئیہ موجبہ: کچھ پودے اپنی مرضی سے حرکت کرتے ہیں (غلط)
۴۔ کلیہ سالبہ: انسانوں میں سے کوئی بھی پتھر نہیں ہے (صحیح) — جزئیہ سالبہ: کچھ انسان پتھر ہیں۔ (غلط)
۵۔ کلیہ سالبہ: حیوانوں میں سے کوئی انسان نہیں ہے (غلط) — جزئیہ سالبہ: کچھ حیوان انسان ہیں (صحیح)
۶۔ کلیہ سالبہ: کوئی بھی انسان ناطق نہیں ہے (غلط) — جزئیہ سالبہ: کچھ انسان ناطق نہیں ہیں (غلط)
۷۔ جزئیہ موجبہ: کچھ حیوان انسان ہیں۔ (صحیح) — کلیہ موجبہ: تمام انسان حیوان ہیں (صحیح)
۸۔ جزئیہ موجبہ: کچھ انسان دیانتدار ہیں (صحیح) — کلیہ موجبہ: تمام انسان دیانتدار ہیں (غلط)

۴۔ استدلال کا تیسرا طریقہ: عکسِ مستوی (۴۷) عکس مستوی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قضیہ کی

۴۷۔ تفہیم المنطق ص ۱۹۳۔ ابن حزم حیاتہ وعصرہ ص ۴۰۳

...لعہ اور ان کا تجزیہ کر کے کوئی ایسا کلی حکم اور قاعدہ ثابت کرنا جو ایک تسلیم شدہ حقیقت کا درجہ حاصل کر لے۔ لہذا جزئیات کا مشاہدہ کرنے سے جو نتیجہ بر آمد ہوا اسے استقراء کہتے ہیں۔

تجربہ اور عقل کے استعمال سے قاعدہ اور اصول بنانا انسانی فطرت ہے۔ قرآن مجید تعقل اور غور و فکر پر زور دیتا ہے۔

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق (۷۹)

ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتداء کی ہے۔

زمین پر چلنے پھرنے اور سیر کی دعوت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کائنات کی جزئیات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرے اور قواعد و کلیات بنائے۔

قدرت نے یہ بات انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کی چیزوں کا مشاہدہ کر کے کچھ اصول وضع کر لیتا ہے۔ مثلاً ایک ان پڑھ کسان یہ علم رکھتا ہے کہ گندم کا بیج زمین میں ڈالنے سے قبل زمین کو نرم کرنا ضروری ہے ورنہ گندم کا نازک پودا سخت زمین کا سینہ چیر کر اپنا سر مٹی سے باہر نہیں نکال سکتا۔ اس کے علاوہ گندم کے بیج کو پانی، دھوپ اور ہوا وغیرہ بھی مناسب مقدار میں ملتی رہنی چاہیے۔ ان پڑھ انسان کو یہ بات کسی زرعی یونیورسٹی کی تعلیم و تحقیق سے معلوم نہیں ہوئی بلکہ اس کا زندگی بھر کا تجربہ اسے بتاتا ہے۔ کہ یہ بات بالکل سچ ہے۔ اس کا یہ تجربہ اس کے چھوٹے سے گاؤں کے چند کھیتوں تک محدود ہے۔ جہاں اس نے مختلف کھیتوں میں گندم کے بیج کو اسی طرح ایک پودا بنتے دیکھا۔ جس سے اس نے یہ عمومی قاعدہ و اصول بنا لیا کہ بیج اس وقت نشو و نما حاصل کرتا ہے جب کھیت کی مٹی نرم ہو۔ اور اسے پانی، دھوپ اور ہوا وغیرہ بقدر ضرورت ملے۔

یا مثلاً روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ گزشتہ پرسوں 'ا' مر گیا کل 'ب' مر گیا، آج 'ج' مر گیا۔ اس طرح ہم کئی افراد کی موت کی خبر سنتے ہیں اور جنازے اٹھتے دیکھتے ہیں۔ ان مشاہدات سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان فانی ہے۔

استقراء کی دو اقسام ہیں :

ا۔ استقراء تام

ب۔ استقراء ناقص

ا۔ استقراء تام : کسی قضیہ کی تمام جزئیات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد کوئی ایسا کلی حکم ثابت کرنا جو اس قضیہ کی تمام جزئیات میں بھی ثابت ہو اسے استقراء تام کہتے ہیں۔ اسے قیاس منطقی بھی کہتے ہیں۔ استقراء تام میں کسی قضیہ کی جزئیات سے متعلق اقوال کو تسلیم کر لینے کے بعد ان کے نتیجے کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

مثلاً بیع ایک معاہدہ ہے اور ہر معاہدے کا لازمی جز ور ضامندی ہے اگر ان دونوں باتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کے نتیجے کو

۷۹۔ العنکبوت : ۲۰

بھی تسلیم کرنا ضروری ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ بیع کے لیے رضامندی ضروری ہے۔

مثلاً فرض نماز ہو یا نفل نماز ان میں سے ہر ایک کے لیے طہارت ضروری ہے۔ لہذا ہر نماز کی ادائیگی کے لیے طہارت ضروری ہے۔

۲۔ استقراء ناقص: کسی قضیہ کے لیے کوئی حکم اس بنا پر ثابت کرنا کہ وہ حکم اس قضیہ کے بعض یا اکثر جزئیات میں بھی ثابت ہے 'استقراء ناقص کہلاتا ہے۔ استقراء ناقص سے جو نتیجہ بر آمد ہو گا اس کا درجہ یقین کا نہیں ہو گا بلکہ غالب یا راجح ظن کا ہو گا۔

مثلاً ہر جانور کھانے اور بولنے کے لیے اپنے منہ کا نچلا جبڑا حرکت میں لاتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔ یہ بات مختلف النوع حیوانات اور انسان کے جبڑوں کے مطالعہ و مشاہدہ کے بعد ایک قاعدہ عامہ کے طور پر کہی جاتی ہے۔ لیکن مگرمچھ اپنا اوپر والا جبڑا ہلاتا اور استعمال میں لاتا ہے۔ مگرمچھ کا یہ فعل دیگر تمام حیوانات کے نچلے جبڑے کو ہلانے کے فعل کے خلاف ہے۔ لہذا استقراء ناقص سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ ضروری نہیں ہے کہ سو فیصد سچ ہوں۔ ان میں استثناء کا احتمال ہمیشہ ہوتا ہے۔

استقراء ناقص کی ایک مثال امام شافعیؒ کا فتویٰ ہے کہ وتر واجب نہیں ہے کیونکہ وتر کی نماز سواری پر ادا کی جاسکتی ہے اور ہر وہ نماز جو سواری پر ادا ہو جائے وہ واجب نہیں ہو گی۔

۷۔ استدلال کا ساتواں طریقہ: قیاس اقترانی اور قیاس استثنائی (۸۰)

قیاس اقترانی (Connecting Analogy) اور قیاس استثنائی (Exceptional Analogy) یہ دونوں قیاس منطق کی انواع ہیں۔

قیاس اقترانی: اسے قیاس اقترانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دو یا دو سے زیادہ قضیوں کو اس طرح باہم مربوط کیا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ اس طریقے میں دونوں قضیوں کو باہم ملانے کے لیے کسی حرف استثناء مثلاً الا (سوائے / مگر) لکن (لیکن) یا بل (بلکہ) وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی قیاس اقترانی میں دونوں قضیے باہم مربوط ہونے کے لیے کسی اور کے محتاج نہیں ہوتے۔

مثال: (۱) ابو بکر مومن ہے اور ہر مومن جنت میں جائے گا۔

نتیجہ: ابو بکر جنت میں جائے گا۔

(۲) بعض حیوان مچھلی ہیں اور ہر مچھلی کا میتۃ (مردہ) حلال ہے۔

۸۰۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۴/ ۱۶۳۔ حاشیہ البنانی ۲/ ۳۴۲۔ تفہیم المنطق ص ۲۱۶۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۶/ ۲۰۰

نتیجہ: بعض حیوانوں کا میتۃ حلال ہے۔

(۳) ہر نبیذ، مسکر ہے اور ہر مسکر حرام ہے۔

نتیجہ: ہر نبیذ حرام ہے۔

(۴) جب بھی رمضان کا چاند نظر آیا تو روزوں کا مہینہ شروع ہو گیا۔

اور جب بھی روزوں کا مہینہ شروع ہوا تو روزے واجب ہو گئے۔

نتیجہ: جب بھی رمضان کا چاند نظر آیا تو روزے واجب ہو گئے۔

قیاس استثنائی: اس صورت میں حروف شرط مثلاً "اِن" (اگر) وغیرہ کو استعمال کر کے پہلے قضیہ کو شرطیہ بنایا جاتا ہے۔ اور دوسرے قضیے کو ملانے کے لیے حرف استثناء "لکن" (لیکن) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

مثلاً (۱) اگر سورج نکلا ہوا ہے تو دن موجود ہے لیکن سورج نکلا ہوا نہیں ہے۔

نتیجہ: دن موجود نہیں ہے۔

(۲) اگر جیذ مسکر ہے تو وہ حرام ہے لیکن نبیذ مسکر ہے۔

نتیجہ: نبیذ مباح نہیں ہے۔

(۳) وہ شخص یا تو قادیانی ہے یا مسلمان ہے لیکن وہ قادیانی ہے۔

نتیجہ: وہ مسلمان نہیں ہے۔

۸۔ استدلال کا آٹھواں طریقہ (۸۱)

مختلف اقوال میں کم تر مقدار کا قول اختیار کرنا

جب فقہاء کے مابین کسی چیز کی مقدار کے تعین میں اختلاف واقع ہو جائے اور چیز کی مقدار کے تعین میں کئی اقوال ہو جائیں مثلاً دیت کی مقدار یا دیت کی مقدار وغیرہ تو کم تر مقدار والے قول کو اختیار کر لیا جائے گا۔

مثلاً اہل کتاب کی دیت (خون بہا) کی مقدار کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ کے نزدیک یہ دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ بعض کے نزدیک برابر ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اہل کتاب کی دیت مسلمان کی دیت کا ثلث یعنی ایک تہائی ہے۔ امام شافعیؒ نے کم تر مقدار کا قول اختیار کیا ہے ان کے نزدیک اہل کتاب کی دیت کی مقدار مسلمان کی دیت کا ثلث ہے۔

مختلف اقوال میں سے کم تر قول کو اختیار کرنے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط پائی جانی چاہیں۔

۸۱۔ البحر المحیط ۶ / ۲۷۔ ابن حزم حیاتہ وعصرہ ص ۴۰۷۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۴۸

۱۔ کسی ایک نے بھی اس کم تر مقدار والے قول کے عدم وجوب کے بارے میں نہ کہا ہو۔

۲۔ کم تر قول کو اختیار کرنے کی کوئی دلیل نہ پائی جاتی ہو۔ ورنہ وہ قول اس دلیل سے ثابت ہوگا' استدلال سے نہیں۔

۳۔ کسی زائد مقدار والے قول کو اختیار کرنے کی بھی کوئی دلیل موجود نہ ہو ورنہ اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور وہ دلیل اس طریقہ استدلال کے حکم کو باطل کر دے گی۔

۴۔ کم مقدار والا قول زیادہ مقدار والے قول کا جزو ہو۔

۹۔ استدلال کا نواں طریقہ : سبب' شرط اور منع کی بنیاد پر حکم کا اثبات اور نفی (۸۲)

اگر سبب موجود ہو تو حکم پایا جائے گا۔ اگر مانع (Preventive) پایا جائے اور شرط فوت ہو جائے تو حکم کی نفی کی جائے گی یعنی حکم نہیں پایا جائے گا۔

سبب : سبب اس چیز کو کہتے ہیں جسے شریعت نے کسی حکم کی علامت یا پہچان کا ذریعہ بنایا ہو۔ سبب کے وجود سے حکم کا وجود ہوگا اور سبب کے نہ ہونے سے حکم بھی معدوم ہو جائے گا۔

مثلاً جنون' حجر یعنی معاملات اور تصرفات سے روک دینے کا سبب ہے۔ جنون پایا جائے گا تو حجر کا حکم بھی پایا جائے گا اور اگر جنون نہیں ہوگا تو حجر کا حکم بھی نہیں ہوگا۔

قتل عمد قصاص کا سبب ہے۔ اگر قتل عمد موجود ہوگا تو قصاص کا حکم بھی ثابت ہوگا اور اگر قتل عمد موجود نہیں ہے تو قصاص کا حکم بھی لاگو نہیں ہوگا۔

شرط : شرط سے مراد ایسی چیز ہے جس کے وجود پر دوسری چیز کا وجود موقوف ہو لیکن وہ اس چیز کی حقیقت سے خارج ہو۔

شرط کے وجود سے اس چیز کا وجود لازم نہیں آتا لیکن شرط کے نہ ہونے سے اس چیز کا عدم ثابت ہوگا۔

مثلاً نکاح کے لیے دو گواہوں کا ہونا شرط ہے جب تک دو گواہ نہیں ہوں گے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ نکاح کی صحت دو گواہوں کی شرط پر موقوف ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ اگر کہیں دو گواہ پائے جائیں تو نکاح بھی ثابت ہو جائے۔

نماز کے لیے وضو شرط ہے نماز اس وقت صحیح ہوگی جب وضو ہوگا مگر یہ ضروری نہیں کہ جب وضو ہو تو نماز پڑھنا بھی لازم ہو۔ لیکن اگر وضو نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی۔

مانع : مانع سے مراد ایسی چیز ہے جس کا وجود حکم کے لاگو ہونے میں رکاوٹ بن جائے یعنی اس چیز کے پائے جانے سے حکم نہیں پایا

۸۲۔ ارشاد الفحول ۲/ ۲۴۸۔ حاشیہ البنانی ۲/ ۳۴۴۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۳/ ۱۶۲۔ الوجیز ص ۷۵' ۷۹' ۸۲۔ علم اصول الفقہ ص ۱۱۷' ۱۲۰۔ اصول الفقہ ص ۱۰۱' ۱۰۲' ۱۱۰۔

...ے گا۔

مثلاً حیض کسی عورت پر وجوبِ صلوٰۃ کے حکم کا مانع ہے حیض کے دنوں میں عورت پر نماز کی فرضیت کا حکم باطل ہو جائے گا۔

ابوّت (یعنی باپ ہونا) قصاص کا مانع ہے۔ اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دیتا ہے تو باپ کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لازم ہو گی۔ یہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔

۱۰۔ استدلال کا دسواں طریقہ : استصحاب حال

استدلال باستصحاب الحال سے مراد کسی چیز کے بارے میں اس امر کو تسلیم کر لینا کہ اس چیز کی جو حالت ماضی میں تھی وہ حال میں بھی اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ مل جائے۔

اس طریقہ استدلال کے بارے میں تفصیل "استصحاب" کے عنوان کے تحت اسی درسی اکائی کے گزشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

استدلال کے دیگر طریقے

۱۔ کسی چیز کی صحت پر عدم دلیل سے اس چیز کے فساد (Imperfection) پر استدلال کیا جائے گا (۸۳)۔

۲۔ کسی چیز سے ملتی جلتی چیز کے فساد سے اس چیز کے فاسد ہونے پر استدلال کیا جائے گا (۸۴)۔

۳۔ لفظ سے اس کے معنی کی دلیل تلاش کرنا۔ مثلاً "زید لکھتا ہے"۔ یہ جملہ کتابت اور لکھائی کے بارے میں ہے لیکن اس جملہ سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ زید زندہ ہے اور یہ کہ اس کے ہاتھ کی انگلیاں حرکت کر سکتی ہیں اور یہ کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں سے کم از کم ایک ہاتھ ضرور صحیح سلامت ہے (۸۵)۔

۴۔ جب لوگوں کے احوال و زمانہ میں تبدیلی واقع ہو جائے تو وہ احکام بھی بدل جائیں گے جو ان احوال و زمانہ کی اساس پر قائم تھے۔ اسے اصولِ تعدیل کہتے ہیں (۸۶)۔

۸۳۔ البحر المحیط ۶/۷

۸۴۔ حوالہ بالا ۶/۸

۸۵۔ ابن حزم حیاتہ وعصرہ ص ۴۰۳

۸۶۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص ۲۵۰

اہم نکات

۱۔ استحسان کا لغوی مطلب کسی اچھی چیز کی طلب اور جستجو کرنا ہے۔

۲۔ اصطلاحی طور پر کسی مسئلہ میں قیاس جلی کو ترک کر کے قیاس خفی پر عمل یا حکم کلی یا قاعدہ عامہ سے کسی جزئی مسئلہ کا استثناء یا تخصیص استحسان کہلاتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات انسانی مسائل میں لوگوں کی بہتری ٗان کی دینی و دنیوی ضرورتوں اور مصلحتوں کے حصول اور ان سے مفسدہ کو دور کرنے کی خاطر استحسان پر عمل کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

۴۔ استحسان بالنص کی صورت میں کسی مسئلہ کے اس حکم کو ترک کر دیا جاتا ہے جس کا تقاضا قیاس اور قواعد عامہ کریں اور اس کے بر خلاف کسی ایسے حکم کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔ جو نص سے ثابت ہو۔

۵۔ جب مجتہدین کسی مسئلہ میں اس سے ملتے جلتے مسئلوں اور نظائر کے عمومی حکم کے خلاف کسی حکم پر متفق ہو جائیں یا وہ عامۃ الناس کے کسی ایسے فعل پر سکوت اختیار کر لیں اور اس کی مخالفت نہ کریں جو فعل مقررہ اصولوں اور عام قواعد کے خلاف ہو تو یہ استحسان بالإجماع کہلائے گا۔

۶۔ استحسان بالقیاس الخفی میں کسی مسئلہ میں قیاس جلی کے حکم کو ترک کر کے اس کے مخالف قیاس خفی کے حکم پر عمل کر لیا جاتا ہے۔

۷۔ استحسان ضرورت پر عمل اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی انسانی ضرر و تکلیف کو دور کرنے کی اشد ضرورت ہو اور قیاس پر عمل کرنے سے تنگی میں مبتلا ہونے کا قوی امکان ہو۔ ایسی صورت میں مسئلہ کے قیاسی حکم کو ترک کر کے ایسے حکم کو اختیار کیا جاتا ہے جس سے انسانی ضرورت کی تکمیل ہو۔

۸۔ لوگوں کے مابین جاری عرف کو کسی مخالف قیاسی حکم کے مقابلے میں اختیار کرنا استحسان بالعرف کہلاتا ہے۔

۹۔ مصلحت کی بنا پر قیاس کو ترک کر کے اس کے مخالف حکم پر عمل کو استحسان بالمصلحہ کہتے ہیں۔

۱۰۔ استحسان مراعاۃ خلاف العلماء میں اپنی دلیل کو چھوڑ کر مخالف فقہی مذہب کی دلیل کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔ تاکہ دشواری دور ہو۔

۱۱۔ استصحاب کا لغوی معنی مصاحبت چاہنا اور ساتھ رہنا ہے۔

۱۲۔ اصطلاحی مفہوم میں استصحاب یہ ہے کہ ماضی میں کسی چیز کی ثابت شدہ حالت کو زمانہ حال میں باقی و جاری رکھنا جب تک کہ اس حالت کو تبدیل کرنے کی کوئی دلیل نہ پائی جائے۔

۱۳۔ استصحاب اباحت سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کے حرام ہونے پر شریعت نے کوئی واضح حکم نہیں دیا ایسی چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔

۱۴۔ استصحاب براءت اصلیہ کا معنی ہے: اصل یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی ذمہ داری اور واجبات کی ادائیگی سے اس وقت تک بری الذمہ ہے جب تک کہ کوئی ایسی شرعی دلیل اس کے خلاف نہ مل جائے جو اس کی ذمہ داری اور اس پر واجبات کو ثابت کر دے۔

۱۵۔ استصحاب الوصف یعنی ایسے وصف سے متعلق استصحاب جو کسی شرعی حکم کو ثابت کر دے۔ اس حکم کو زمانہ حال میں اس وقت تک برقرار رکھا جائے جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو جائے اور اس وصف کی زمانہ حال میں تبدیلی ثابت نہ ہو جائے۔

۱۶۔ کسی چیز کے عام حکم کو اس وقت تک برقرار رکھا جائے جب تک اس حکم کو خاص کرنے کی دلیل ظاہر نہ ہو۔

۱۷۔ نص سے ثابت حکم کو اس وقت تک جاری رکھا جائے گا جب تک مخالف نص وارد ہو کر اس حکم کو منسوخ نہ کر دے۔

۱۸۔ کسی مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کے موقع پر اس مسئلہ پر اجماع سے ثابت حکم کو برقرار رکھا جائے گا۔

۱۹۔ زمانہ حال میں کسی چیز کی ثابت شدہ حالت کو زمانہ ماضی میں بھی ویسی ہی حالت کے لیے دلیل بنا دینا استصحاب مقلوب کہلاتا ہے۔

۲۰۔ استصحاب سے ماخوذ چند قواعد فقہیہ یہ ہیں:

ا۔ جو جیسا تھا اسے ویسا ہی تسلیم کیا جائے۔

ب۔ یقین کو شک سے زائل نہیں کیا جا سکتا۔

ج۔ اصول یہ ہے کہ (انسان کو) ذمہ داری سے بری تصور کیا جائے۔

د۔ اصول یہ ہے کہ تمام چیزیں مباح ہیں۔

۲۱۔ استصحاب کوئی مستقل دلیل نہیں ہے۔

۲۲۔ دیگر دلائل شرعیہ کی موجودگی میں براہ راست استصحاب پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔

۲۳۔ اکثر علمائے اصول فقہ نے استصحاب کو استدلال کی ایک نوع قرار دیا ہے۔

۲۴۔ استدلال کا لغوی معنی ہے دلیل چاہنا۔

۲۵۔ اصطلاح میں استدلال ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو نہ تو قرآن یا سنت کی کوئی نص ہو اور نہ ہی وہ دلیل اجماع یا قیاس سے عبارت ہو۔

۲۶۔ استدلال کا ایک طریقہ یہ ہے کہ نتیجہ اور حکم حاصل کرنے کے لیے دو قضیے پیش کیے جاتے ہیں جن میں سے پہلے قضیہ کا موضوع مخصوص ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا موضوع کے اعتبار سے عمومی ہوتا ہے۔

۲۷۔ قضایا کے درمیان تقابل کرتے وقت قضیہ موجبہ کا بالمقابل قضیہ سالبہ ہوگا اور سالبہ کا بالمقابل موجبہ ہوگا اسی طرح قضیہ کلیہ کا تقابل قضیہ جزئیہ سے ہوگا اور جزئیہ کا تقابل کلیہ سے کیا جائے گا۔

۲۸۔ قضایا کے درمیان تقابل کے تین طریقے ہیں:

۱۔ قضایا میں تناقض

۲۔ قضایا میں تضاد

۳۔ قضایا میں تداخل

۲۹۔ اگر کسی قضیہ کی تصدیق کرنا مقصود ہو تو اس قضیہ کو الٹ کر دیکھا جائے گا اگر قضیہ کا عکس صحیح ہو تو وہ قضیہ درست ہوگا۔ اسے عکس مستوی کہتے ہیں۔

۳۰۔ کسی خاص علت کے بغیر ایک حکم کو دوسرے حکم کے ساتھ لازم کرنا ''تلازم بین الحکمین'' کہلاتا ہے۔

۳۱۔ کسی حکم کے بارے میں عدم دلیل سے عدم حکم پر استدلال کیا جائے گا۔

۳۲۔ جزئیات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ اور ان کا تجزیہ کرنے کے بعد کوئی ایسا کلی حکم اور قاعدہ ثابت کرنا جو ایک تسلیم شدہ حقیقت کا درجہ حاصل کرلے 'استقراء کہلاتا ہے۔

۳۳۔ استقراء کی دو اقسام ہیں:

۱۔ اسقراء تام

۲۔ استقراء ناقص

۳۴۔ قیاس منطقی کی دو اقسام ہیں:

۱۔ قیاس اقترانی

۲۔ قیاس استثنائی

۳۵۔ کسی چیز کی مقدار کے تعین کے بارے میں مختلف اقوال میں سے کم تر مقدار والا قول اختیار کیا جائے گا۔

۳۶۔ اگر سبب پایا جائے گا تو حکم پایا جائے گا۔ اگر مانع پایا جائے اور شرط فوت ہو جائے تو حکم کی نفی کی جائے گی۔

۳۷۔ کسی چیز کی صحت پر عدم دلیل سے اس چیز کے فساد پر استدلال کیا جائے گا۔

۳۸۔ کسی چیز سے ملتی جلتی چیز کے فساد سے اس چیز کے فاسد ہونے پر استدلال کیا جائے گا۔

۳۹۔ لفظ سے اس کے معنی کی دلیل تلاش کرنا بھی استدلال کا ایک طریقہ ہے۔

۴۰۔ لوگوں کے احوال و زمانہ میں تبدیلی سے ان احوال و زمانہ پر مبنی احکام بھی تبدیل ہو جائیں گے۔

کتب برائے مزید مطالعہ

۱۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل از مجیب اللہ ندوی
دارالکتاب۔۲۴ سک نالہ فتح شیر روڈ۔ نیا مزنگ لاہور۔فروری ۱۹۸۲
۲۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر از محمد تقی امینی
اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور۔۱۹۷۹ء
۳۔ اجتہاد از محمد تقی امینی
قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
۴۔ الوجیز فی اصول الفقہ از عبدالکریم زیدان۔مترجم ڈاکٹر احمد حسن
مطبع مجتبائی پاکستان۔ہسپتال روڈ لاہور ۱۹۸۶
۵۔ فلسفہ شریعت اسلام از صبحی محمصانی، مترجم مولوی محمد احمد رضوی
مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۱ء
۶۔ اسلامی قانون کا نظریہ مصلحت از سید عبدالرحمان بخاری
شعبہ تحقیق، قائداعظم لائبریری لاہور

مصادر و مراجع

۱۔ ابن السبکی، تاج الدین عبد الوھاب۔ جمع الجوامع۔ مطبع اصح المطابع بمبئی۔

۲۔ ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن الشہر زوری۔ علوم الحدیث۔ دار الفکر۔ دمشق ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳م

۳۔ ابن اللحام۔ علی بن محمد بن علی بن عباس۔ المختصر فی اصول الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل، محققہ د۔ مظہر بقاء۔ مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی۔ جامعۃ الملک عبد العزیز السعودیہ ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰م

۴۔ ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ مکتبۃ الکلیات الازہریۃ مصر۔

۵۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ۔ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور۔

۶۔ ابو داود۔ سنن ابو داود۔ مترجم وحید الزماں۔ اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور ۱۹۸۳ء

۷۔ احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل۔ دار الفکر۔ المکتب الاسلامی بیروت۔ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸م

۸۔ الاتاسی، محمد خالد، شرح المجلۃ۔ المکتبۃ الاسلامیۃ۔ میزان مارکیٹ کوئٹہ۔ ۱۴۰۳ھ۔

۹۔ الآمدی، سیف الدین علی بن ابی علی بن محمد۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان۔ ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰م

۱۰۔ البخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری۔ مکتبۃ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور۔ ۱۹۷۹ء

۱۱۔ البردیسی، محمد زکریا۔ اصول الفقہ۔ دار الثقافۃ للنشر والتوزیع ۲۰ شارع سیف الدین المہرانی ۱۹۸۳م

۱۲۔ التفتازانی، التلویح۔ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۴۰۰ھ

۱۳۔ البزدوی، علی بن محمد۔ اصول البزدوی۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

۱۴۔ الترکی، عبد المحسن۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل۔ مطبعۃ جامعۃ عین شمس ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴م۔

۱۵۔ الخن۔ مصطفیٰ سعید۔ اثر اختلاف القواعد الاصولیۃ فی اختلاف الفقہاء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲م۔

۱٦۔ الزرکشی۔ بدر الدین محمد بن بہادر۔ البحر المحیط فی اصول الفقہ۔ دار الصفوۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع۔ بالفردقہ کویت۔ ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲م

۱۷۔ الزنجانی، شہاب الدین محمد بن احمد۔ تخریج الفروع علی الاصول مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲م۔

۱۸۔ السرخسی، شمس الدین۔ المبسوط۔ دار المعرفۃ بیروت لبنان۔ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸م۔

۱۹۔ السلقینی ' ابراہیم الدکتور۔الیسر فی اصول الفقہ الاسلامیہ دار الفکر دمشق۔۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱م

۲۰۔ الشاطبی 'ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ۔الموافقات فی اصول الشریعۃ۔ شرح عبداللہ دراز المکتبۃ التجاریۃ الکبری بأول شارع محمد علی بمصر ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵م

۲۱۔ الشاطبی۔الاعتصام۔المکتبۃ التجاریۃ الکبری باول شارع محمد علی بمصر

۲۲۔ الشافعی 'محمد بن ادریس۔الام۔دار المعرفۃ بیروت لبنان۔ ۱۳۹۳ھ / ۱۹۸۳م

۲۳۔ الشوکانی محمد بن علی 'ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول۔حققہ شعبان محمد اسماعیل۔دار الکتبی قاہرہ مصر۔ ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲م

۲۴۔ صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود۔التوضیح۔کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی ۱۴۰۰ھ

۲۵۔ الطحان 'محمود الدکتور۔ تیسیر مصطلحات الحدیث۔ نشر السنۃ ملتان۔

۲۶۔ الطوفی 'نجم الدین ابی الربیع سلیمان بن عبدالقوی بن عبدالکریم ابن سعید بشرح مختصر الروضۃ۔ تحقیق عبداللہ بن الحسن الترکی۔مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹م

۲۷۔ الغزالی 'ابوحامد محمد بن محمد۔المنخول من تعلیقات الاصول۔حققہ د۔ محمد حسن ہیتو دار الفکر دمشق سوریا۔۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰م

۲۸۔ الغزالی۔ابوحامد محمد بن محمد المستصفی من علم الاصول۔دار صادر ۱۳۲۲ھ

۲۹۔ الکلوذانی 'محفوظ بن احمد بن الحسن۔التمہید فی اصول الفقہ۔ تحقیق د۔ محمد بن علی بن ابراہیم جامعۃ ام القریٰ مکۃ المکرمۃ۔ سعودیۃ

۳۰۔ النسائی 'ابوعبدالرحمٰن۔ سنن نسائی۔مکتبۃ التربیۃ العربی للدول الخلیج ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸م

۳۱۔ بدران 'ابوالعینین۔اصول الفقہ الاسلامی۔مؤسسۃ شباب الجامعۃ الاسکندریہ۔

۳۲۔ تنزیل الرحمٰن 'ڈاکٹر جسٹس۔ مجموعۃ قوانین اسلام۔ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۸۱ء۔

۳۳۔ مالک بن انس۔الموطا۔اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور

۳۴۔ محمد ابوزہرۃ :مالک حیاتہ وعصرہ۔ آراوہ وفقہہ۔دار الفکر العربی

۳۵۔ محمد ابوزہرۃ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیۃ مترجم رئیس احمد جعفری۔اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور ۱۹۷۱ء

۳۶۔ محمد ابوزہرۃ۔ابن حزم حیاتہ وعصرہ۔ آراوہ وفقہہ۔دار الفکر العربی ۱۹۷۸م۔

۳۷۔ محمد تقی امینی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۹ء

۳۸۔ محمصانی 'صبحی۔فلسفہ شریعت اسلام۔ مترجم مولوی محمد احمد رضوی۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۱ء

۳۹۔ مسلم بن الحجاج۔ صحیح مسلم۔مترجم وحید الزمان نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور ۱۹۸۱م

۴۰۔ مسلم بن الحجاج۔ صحیح مسلم۔ شارح غلام رسول سعیدی۔ فرید بکسٹال اردو بازار لاہور۔
۴۱۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی۔ المعروفہ موسوعۃ جمال عبدالناصر فی الفقہ الاسلامی۔ المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ۔ القاہرہ۔ ۱۳۹۰ھ
۴۲۔ ندوی، عبداللہ عباس، مولانا ڈاکٹر۔ تفہیم المنطق۔ مجلس نشریات اسلام۔ ناظم آباد کراچی ۱۹۹۱ء
۴۳۔ ولی اللہ شاہ۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ۔ مترجم صدر الدین اصلاحی۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۰ء
۴۴۔ زیدان، عبدالکریم۔ الوجیز فی اصول الفقہ۔ مترجم ڈاکٹر احمد حسن۔ مطبع مجتبائی پاکستان۔ ہسپتال روڈ لاہور۔ ۱۹۸۶

مطبوعات

قانونِ اسلامی، اختصاصی مطالعہ: اصولِ فقہ (بذریعہ خط و کتابت)

(Advanced Correspondence Course in Islamic Jurisprudence)

☆☆☆☆☆

۱۔ علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ اوّل)
۲۔ علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ دوم)
۳۔ قرآن
۴۔ سنّت
۵۔ سنّت کی حجیت کا جائزہ
۶۔ اجماع
۷۔ قیاس
۸۔ شرائع سابقہ۔ اقوالِ صحابہؓ۔ استصلاح
۹۔ استحسان۔ استصحاب۔ استدلال
۱۰۔ عرف اور سدِّ ذرائع
۱۱۔ حکمِ شرعی۔۱ (حکمِ تکلیفی)
۱۲۔ حکمِ شرعی۔۲ (حکمِ وضعی)
۱۳۔ خاص
۱۴۔ عام۔ مشترک۔ حقیقت و مجاز۔ صریح و کنایہ
۱۵۔ دلالات
۱۶۔ اسلام کا نظریۂ اجتہاد
۱۷۔ مناہج و اسالیب اجتہاد
۱۸۔ تقنین (اسلامی احکام کی ضابطہ بندی)
۱۹۔ پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل
۲۰۔ فقہ حنفی و فقہ مالکی
۲۱۔ فقہ شافعی و فقہ حنبلی
۲۲۔ فقہ جعفری و فقہ ظاہری
۲۳۔ قواعد کلیہ (حصہ اوّل)
۲۴۔ قواعد کلیہ (حصہ دوم)